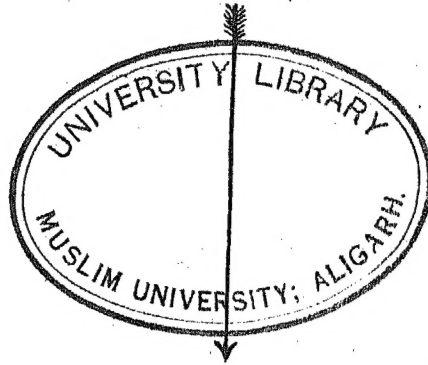


370

1695

گارساں دتاسی

اور اُس کے ہم عصر بہی خوانانِ اُردو



مؤلف

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ ڈی (لندن)۔ صدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ
مختار اعزازی ادارہ ادبیات اُردو



گارساں دماہی

اور اُس کے ہم عصّر بھی خوانانِ اُردو

میں
اُردو کے پہلے پروفیسر، فرانس کے شہر مشرق
اور ہندستانوں کے سچے ہی خواہ

کہ

علی دادنی کارناموں، طریقہ تعلیم، تلامذہ، کتب خانہ، اُردو کی سہولت
اور تبلیغ کی کوششوں اور اس کے عہد کی یورپ کی درس گاہوں
اُردو کے پروفیسروں اور بھی خواہوں کا ایک اجمالی تذکرہ

مؤلف

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ ڈی (لندن)۔ صدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ
مقدمہ اعزازی ادارہ ادبیات اُردو

طبع ثانی

۱۹۳۱ء

سب رس کتاب گھر - خیریت آباد حیدرآباد دکن

قیمت

ایک روپیہ

✓
۹ ۲ ۸ ۵ ۹۱

۱۴۰
(۲۲ کب د)

طبع اول ۱۹۳۱ء

طبع ثانی ۱۹۴۱ء

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن



فہرست

گارساں دتاسی

اور اُس کے ہم عصر ہی خواہان اُردو

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
۴۸	دتاسی کے درس اور	۳	دیباچہ طبع ثانی	۱
۵۴	طریقہ تعلیم	۹	دیباچہ طبع اول	ب
	دتاسی کے شاگرد	۱۰	ابتدائی زندگی	۱
	آگے - ابے بارولی - بٹاں -		اُردو سے شغف اور	۲
	پاؤں - ٹاٹس - ریو -		دیوان دلی -	
	قرآن - سب سے حسین کار	۱۳	تاریخ ادبیات ہندی ہندوستانی	۳
	ہنری کارڈ وغیرہ -	۱۶	ہندی کا شوق اور	۴
	اُردو کی اشاعت اور	۱۱	افتتاحیہ خطبے -	
۶۱	حمایت -	۲۰	۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۵ء تک	۵
۷۲	یورپ کی اُردو درس گاہیں	۱۲	آخری زمانہ -	۶
	اڈسکوب رائٹ لٹری کالج -	۲۷	دتاسی کی تصنیفات -	۷
	اکسفورڈ یونیورسٹی - جیلز کالج	۳۲	دتاسی کا کتب خانہ -	۸
	جیمز انڈین ڈپو - ڈبلن یونیورسٹی	۳۵	دتاسی کی محفوظے	
	سینٹر ہرسٹ رائٹ لٹری کالج		ب - تعلی اُردو تذکرے	
	کیمرج یونیورسٹی - لندن یونیورسٹی	۴۲	ج - اہم ہندوستانی کتابوں کی فہرست	
	کننگھم کالج - یونیورسٹی کالج	۴۵		
	دبچہ رائٹ لٹری کالج			

صفحہ	مضامین	سلسلہ نشان	صفحہ	مضامین	سلسلہ نشان
۹۱	معاصر مستشرقین :-	۱۴		دعاسی کے زمانہ کے	۱۳
	آرٹ	۱	۷۸	دوسرے اردو پروفیسر :-	
	اسپرینگر	۲		اسٹیفن	۱
	بروشن	۳		المان	۲
	بتروس	۴		اولاد علی	۳
	بیمز	۵		باؤلس	۴
	پرنسپ	۶		بیلن ٹائن	۵
	ٹرویر	۷		چیمبرس	۶
	ٹیلر	۸		روجرس	۷
	رویک	۹		رولینڈسن	۸
	فلر	۱۰		سید احمد	۹
	فلکونر	۱۱		سید عبداللہ	۱۰
	فوربز	۱۲		شیکسپیر	۱۱
	فیلن	۱۳		گورڈن	۱۲
	فلکر سٹ	۱۴		ماھر	۱۳
	لائٹنر	۱۵		ٹائن	۱۴
	لس	۱۶		ٹالی	۱۵
	ٹال رائٹ	۱۷			

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U32634

2 327 1963



Handwritten signature and date: 1963

دیباچہ طبع ثانی

اُردو کے اس مشہور محن کا تذکرہ آج سے بارہ سال قبل فرانس کے مشہور آفاق پایہ تخت پیرس میں لکھا گیا اور ہندستانی اکیڈمی الہ آباد کے ترجمان ”ہندستانی“ بابت ماہ اپریل ۱۹۳۱ء میں پہلی بار شائع ہوا اور ساتھ ہی کتابی صورت میں بھی چھپا تھا۔

گزشتہ دس سال کے عرصہ میں اُردو کی نسبت معلومات حاصل کرنے کا ذوق اتنا ترقی کر چکا ہے کہ اس کتاب کی مانگ حد سے بڑھ گئی اور اس کے مرتب کو مجبور ہونا پڑا کہ اس پر نظر ثانی کر کے اس کو دوبارہ شائع کرے۔ اس اثناء میں گارساں دتاسی کے خطبات بھی (۱۹۳۵ء میں) شائع ہو چکے ہیں جن کے آگے مولوی عبدالحق صاحب کا ایک مختصر سا مقدمہ شامل ہے۔ اس مقدمہ میں دتاسی کے حالات اسی تذکرہ سے نقل کئے گئے اور اگرچہ ماخذ کا حوالہ درج نہیں کیا گیا لیکن اُردو کی دنیا میں یہ کوئی تعجب اور افسوس کی بات نہیں۔ افسوس اس کا ہے کہ

۱۔ اہل اُردو سے دتاسی کو بھی اس امر کی شکایت تھی۔ چنانچہ وہ اپنی ۱۸۶۱ء کی تقریر میں کہتا ہے کہ:۔ ”مولوی کریم الدین اپنے اور دوسرے اہل وطن کی طرح اس بات کو کوئی غیب نہیں سمجھتے کہ کسی دوسرے مصنف کے خیالات کو بلا تکلف اپنی کتاب میں درج کر دیں۔ ہندوستانی میں یہ آزادی عام طور پر علی دنیا میں برقی جاتی ہے۔ مترجمین خواں بن الا قوامی صابڈوں کی مطلق کوئی پروا نہیں ہوتی جن کے مطابق ان کا فرض ہے کہ وہ جب کسی مصنف کی کتاب سے کوئی مفہوم نہیں تو اس کا اعتراف کریں۔“

”خطبات دتاسی“ پر جیسا مقدمہ لکھا جانا چاہئے تھا نہیں لکھا گیا۔ اصل خطبات کو پڑھنے اور اُن پر مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا کرنے کی جگہ دتاسی کے اسی تذکرے سے سرسری معلومات نقل کر لی گئیں۔ اس کے بعد دتاسی کی چند اور تقریریں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے (۱۹۲۷ء میں) شائع ہوئیں لیکن اس شان سے کہ اس کی نسبت اُردو کے سنجیدہ نقاد اور ادیب مولانا عبد الماجد دریا بادی نے اپنے مؤثر جریدہ ”صدق“ باب۱۵ ارگٹ ۱۹۲۷ء میں یہ رائے ظاہر کی ہے۔

”گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے - ۱۵۳ صفحات
..... قیمت درج نہیں۔ گارساں دتاسی ایک مشہور
فریج ادیب ہوا ہے جسے اُردو سے خاص ذوق
تھا..... یہ ان میں سے چھ تمہیدی مقالات کا
ترجمہ ہے.... نفس کتاب بھی دلچسپ اور پُر
معلومات دونوں ہیں۔ لیکن افسوس ہے
کہ نہ تو مترجم کا نام درج ہے اور
نہ کوئی فہرست مضامین ہے۔
دیباچہ وغیرہ کا ذکر ہی کیا۔ ترجمہ کے
صرف مصلح کا نام درج ہے وہ بھی ان کے بغیر
اتے پتے کے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ”ج“ کون
صاحب ہیں اور مترجم کون۔ ”عبداللہ“ اور ”ع۔ ص“

کو بھی خاص ہی خاص لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ وغیرہ
اس تبصرے کی مزید توضیح کی ضرورت نہیں۔ ان حالات کے تحت اگر
دتاسی کے اس تذکرہ کو دوبارہ نہ شائع کیا جاتا تو اس سے بڑھ کر اُردو
کے اس قدیم محسن پر اور کوئی ظلم نہ ہوتا۔

اس دوسری طبع کے لئے پورے تذکرے پر نظر ثانی کی گئی اور
اس میں بعض عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا تاکہ دتاسی کی خصوصیات کے
سمجھنے اور اس کی اور اس کے سمعہروں کی اُردو خدمات کی صحیح اہمیت
معلوم کرنے میں سہولت ہو۔

دتاسی صحیح معنوں میں اُردو کا پہلا باضابطہ پروفیسر تھا۔ اس نے
ہر وہ کام انجام دیا جو کسی زبان کے پروفیسر کو کرنا چاہئے اور اس
اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا کہ وہ اُردو کی پروفیسری کا جو معیار قائم کر گیا ہے
وہ عرصہ تک دوسروں کے لئے بہترین نمونہ ثابت ہوگا۔ اگرچہ اس کے
زمانہ میں چند دوسری جامعات میں بھی اُردو کے پروفیسر موجود تھے۔
لیکن کسی نے اُردو کی نہ ایسی خدمت کی اور نہ کسی کو یہ عظمت حاصل
ہو سکی۔

اس کتاب کے آئندہ صفحات ظاہر کریں گے کہ دتاسی کا کتب خانہ
کتنا عظیم الشان اور اُردو کے کیسے کیسے نواور سے معمور تھا۔ اس نے
اُردو کی تعلیم کا کتنا اچھا اور اصولی طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ نہ صرف اچھا
معلم تھا بلکہ بہترین رہنما بھی۔ اس نے اپنے شاگردوں میں اُردو کا

ایک ایسا ذوق پیدا کر دیا تھا کہ ان کے دلوں میں ہمیشہ اس زبان کی خدمت اور حمایت کا دلولہ موجزن رہا۔ اس کے شاگردوں کا جو مختصر تذکرہ اس کتاب میں درج ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے عہدے اور رتبے حاصل کئے۔ کوئی کلکتہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہوا اور ناظم تعلیمات تو کوئی ایشیاٹک سوسائٹی کا معتمد، کوئی کمشنر بنا، تو کوئی بڑا پادری۔ لیکن دہاسی کے ان تمام شاگردوں کے دماغ زندگی کے ہر شعبے اور ہر منزل میں اُردو کی حمایت اور تبلیغ کی تدبیریں سوچتے رہے۔

دہاسی کا زبان اور قلم دونوں اُردو کی حمایت کے لئے تیج بے نیام کا کام کرتے تھے۔ اس نے اُردو کے ہر بدخواہ کی علی الاعلان مخالفت کی خواہ وہ اہل ہند ہو یا کوئی انگریز عہدہ دار، اس نے خود اُردو کے ادیبوں اور شاعروں سے راست مراسلت کی اور تعلقات قائم رکھے۔ وہ سرسید احمد خاں جیسے مشہور ادیب اور مصلح قوم کو بھی برابر مشورے دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُن کو رائے دی تھی کہ اپنی لغت کا نام بدل کر بجائے انگریزی کے اُردو میں رکھیں۔ وہ اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے کہ:-

سرسید احمد خاں کی اُردو لغت کے چار صفحات
مختماً میرے یہاں بھیجے گئے ہیں۔ موصوف نے
..... میری رائے کے مطابق اس لغت کا
نام ”دہانا یورپین نام ترک کر کے“ لغت زبان اُردو“

رکھا ہے۔“

دتاسی نے اس لغت کے دوسرے دو عیسویں کی نسبت بھی اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ یعنی یہ کہ:-

(۱) ٹائپ کے حروف بہت چھوٹے ہیں اور

(۲) الفاظ کے ماخذ نہیں بتائے گئے۔

اسی طرح دتاسی نے منشی کریم الدین (مصنف طبقات شعرائے اردو) کو مشورہ دیا تھا کہ ”وہ اپنی دوسری کتابوں کے برخلاف اپنی جدید کتاب ”مذامضا“ میں اس امر کا اعتراف کریں کہ کن کن ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔“ دتاسی کی شہرت اس کی زندگی ہی میں ہندستان پہنچ چکی تھی۔ جیسا کہ آئندہ صفحات ظاہر کریں گے۔ اس کی زندگی ہی میں اس کی کتابوں کے اردو ترجمے شائع ہوئے اور مختلف رسالوں میں اس کی نسبت مضامین لکھے گئے۔ اس کی خدمات کا اعتراف اہل اردو کی طرف سے سب سے پہلے غالباً ستمبر ۱۸۶۵ء میں سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون کے ذریعہ سے کیا گیا جس کو اودھ اخبار نے بھی نقل کیا تھا۔ اس مضمون کا ذکر دتاسی نے اپنی ۷ دسمبر ۱۸۶۵ء کی تقریر میں اس طرح کیا تھا:-

”میں اس مضمون نگار کا شکر گزار ہوں کہ اس نے

میری تصانیف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے“

افسوس ہے کہ تقریباً ساٹھ سال تک اہل اردو دتاسی کو بھولے رہے

اور توقع ہے کہ یہ چھوٹی ٹسی کتاب دتاسی کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کا ایک مقدمہ ثابت ہوگی اور آئندہ اہل اُردو اپنے اس محنِ اعظم کی نسبت مبسوط کتابیں شایع کریں گے جس شخص نے اپنی زندگی کے ساٹھ، ستر سال مسلسل اُردو کی خدمت میں گزاریے اور اس زبان کی نسبت ایسے زمانہ میں ہزار یا صفحات تحریر کئے اور ہزاروں کتابیں جمع کیں جب کہ اس کو اتنی وسعت اور تقویت حاصل نہیں ہوئی تھی، ایسے محن کی خدمات کی ہم جتنی قدر کریں کم ہے۔

آخر میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اُردو ادب کی تاریخی معلومات کے سلسلہ میں دتاسی سے چند مقامات پر غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن غلطی نسبتاً ہی سے ہوتی ہے۔ اُردو کے بڑے بڑے شاعروں اور انشا پردازوں نے بھی غلطیاں کی ہیں۔ شبلی کی شعر الجم، آزاد کی آبِ حیات، میر تقی میر کی نکات الشعرا، وہ کتابیں ہیں جو ہر لحاظ سے ادبِ عالیہ میں شمار کی جاتی ہیں۔ لیکن جب ان میں بھی غلطیاں موجود ہیں تو دتاسی کی تحریروں میں چند غلطیوں کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب یہ امر مشنِ نظر ہوگا کہ وہ کبھی ہندستان نہیں آیا اور ایک غیر ملک فرانس میں اس نے اُردو سیکھی اور اُردو کے متعلق معلومات حاصل کیں تو اس کی ان تصنیفات اور خدمات کی اہمیت اہل اُردو کی نظریں اور بھی بڑھ جائے گی جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں دتاسی کی اصل فرانسسیسی تصانیف کے علاوہ ترجمہ خطبات گارساں دتاسی، اور دہلی کالج مروجہ، (مطبوعہ انجمن ترقی اُردو) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

سید محی الدین قادری زور

رفعت منزل۔ خیریت آباد
یکم نومبر ۱۹۶۱ء

گارساں دتاسی دیباچہ طبع اول

گارساں دتاسی اُردو ادب کا ایک قابلِ وقت محسن ہے اس کے احسان نہ صرف اس لئے یاد رہیں گے کہ اس نے ہندستان سے دور ایک غیر ملک میں بیٹھ کر ہماری زبان اور ادب کی عمر بھر خدمت کی بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے زمانے میں خود ہمارے ادیب اپنے علمی اور ادبی خزانوں کی صحیح قدر و قیمت سے ناواقف تھے، وہ پہلا شخص ہے جس نے اُردو ادب پر تحقیقات شروع کی اُس نے ہمارے مُصنّفوں اور تصنیفوں پر ناقدانہ نظر ڈالی اور فرانسیسی زبان میں ہندوستانی ادب کی ایک مبسوط تاریخ لکھ کر تین جلدوں میں شائع کی۔

یہ گارساں دتاسی ہی تھا جو اُردو کے مایہ ناز قدیم شاعر دلی کے کمال سے سب سے پہلے واقف ہوا اور اس کے کلام کے متعدد نسخوں کے مقابلے کے بعد ایک قابلِ یادگار دیوان شائع کرایا۔ نہ صرف یہ بلکہ بہت کم اُردو داں اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس فرانسیسی محقق نے ہماری زبان اور ادب کے متعلق تیس سے زیادہ کتابیں اور رسالے

لکھے اور شائع کیئے۔ اُردو ادبیات کی تمام تاریخ چھان ڈالیے بہت کم ادیب آپ کو ایسے ملیں گے جنہوں نے اپنی زبان اور ادب میں اس قدر کام کیا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت تک اُردو کے بعض رسالوں میں اس فرانسیسی محقق کی ایک دو کتابوں کا کچھ سرسری ذکر کیا گیا ہے۔ حیدرآباد کن کے ایک سالے ”تحفہ“ میں چند سال قبل دتاسی کی معلومات کی بعض غلطیوں پر روشنی ڈالی گئی تھی اور انجن ترقی اُردو کے رسالے اُردو میں اُس کے چند خطبوں کے اُردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں لیکن اس کی زندگی اور اُردو سر متعلقہ کارناموں کی نسبت اب تک کسی قسم کی معلومات اُردو تو اُردو کسی اور زبان میں بھی نہیں شائع ہوئیں۔

اُردو کی لسانی ساخت پر عملی تحقیقات کرنے کے سلسلے میں ۱۹۲۹ء میں جب میں نے دوبارہ یورپ کا سفر کیا تو فرانس میں ایک سال سے زیادہ قیام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں کے متفرق کتب خانوں کے اُردو مخطوطوں کا میں اپنے پہلے ہی سفر میں مطالعہ کر چکا تھا اور اسی ضمن میں گارساں دتاسی کی ہندستانی زبان کے متعلق اتنی فرانسیسی کتابیں نظر سے گزری تھیں کہ ان پر کچھ لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا تھا۔ چنانچہ اس دوسرے سفر میں چھٹیوں وغیرہ جتنا بھی موقع مل سکا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی اور آخر کار اس قابلِ عظمت محقق کی نسبت جو کچھ معلومات حاصل ہو سکیں ان کا ایک مختصر سا خلاصہ سندھ اوراق میں پیش کیا جاتا ہے۔

سید محی الدین قادری

جنوری ۱۹۳۱ء

ابتدائی زندگی

دتاسی فرانس کے مشہور بندرگاہ مارسیل میں ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ علومِ ہنر کی تحصیل کے بعد جب مشرقی زبانوں کا شوق ابھرا تو تیس سال کی عمر میں وہ ۱۹۱۷ء میں پیرس پہنچا جہاں موسیو سلوستر دی ساسی (M. Silvestre de Sacy) السنہ ۱۸۳۰ء کے پروفیسر کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ دتاسی نے اس نوجوان کا پدرانہ شفقت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اس قدر خلوص اور توجہ کے ساتھ تعلیم دی کہ گارساں دتاسی نے بہت جلد عربی اور ترکی زبانوں پر دسترس حاصل کر لی۔ ان زبانوں سے اس نے فرانسیسی میں جو اعلیٰ درجے کے ترجمے کیے ہیں وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ دتاسی اپنے شاگرد کو کامیاب بنانے میں کس خلوص کے ساتھ مصروف تھا اور یہی وجہ تھی کہ گارساں دتاسی کے دل میں اپنے استاد کی شفقت اور خلوص کی یاد آخر عمر تک تازہ رہی۔ عربی اور ترکی زبانوں کی تحصیل ہی کے دوران میں دتاسی کو فارسی کا شوق پیدا ہو گیا اور فارسی ادب نے اس کو اس قدر بٹھایا کہ اس زمانے میں اس نے دو تین فارسی کارناموں کا بھی فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر ”منطق الطیر“ کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے ساتھ دتاسی نے اس کتاب پر ایک مقدمہ بھی شائع کیا جس میں اُس نے ”ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری“ پر بحث کی۔

غالباً فارسی کتابوں ہی کے مطالعہ سے دتاسی کو تصوف کا شوق پیدا ہوا اور یہ وہ شوق ہے جو ایک دفعہ پیدا ہو جانے کے بعد بہت کم دور ہوتا ہے۔ چنانچہ دتاسی بھی اس میں اس قدر محو ہو گیا کہ تمام عمر صوفیاء کے عقائد اور انہی سے متعلقہ مسائل کا مطالعہ کرتا رہا اور شاید اس کا یہی شوق تصوف تھا جس نے اس کو ہندوستانی مصنفین کی طرف متوجہ کیا اور جس کی وجہ سے اس نے نہ صرف ہندوستانی سیکھ لی بلکہ اس پر قابلِ فہم کام کیے۔

(۲)

اُردو سے شغف اور دیوانہ پن

مشہور اُردو شاعر میر تقی میر کی تثنوی اترورنامہ ان چند اُردو تحریروں میں سے ہے جو ابتدا میں دتاسی کو پسند آئیں اور جن کا فرانسیسی زبان میں اس نے ترجمہ کیا۔ تیر کی اس تثنوی کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۲۶ء
Paris "Conciles aux mauvaise poets"

(Dondey-Dupre) کے نام سے شائع ہوا۔

جب دتاسی کے استاد سلوستر دتاسی نے دیکھا کہ اس کا قابلِ فخر شاگرد ہندستانی ادب کا ماہر ہو کر اس میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ مدرسہ السنہ مشرقیہ میں ہندستانی زبان و ادب کے لیے بھی پروفیسری کی ایک جگہ قائم کی جائے چنانچہ موسیو دمار تیانک (M. de Martignac) کے مختصر سے عہد وزارت میں مشہور مستشرق کی یہ سفارش منظور کر لی گئی اور دتاسی ۱۸۲۸ء میں ہندستانی کا پروفیسر ہو گیا۔

یہ خدمت حاصل کرنے کے بعد دتاسی نے سب سے پہلے اپنے شاگردوں کی سہولت کے لیے ہندستانی زبان کا ایک قاعدہ مرتب کیا۔ جو ۱۸۲۹ء میں (Rudiment de la langue Hindoustanie) کے نام سے شائع ہوا۔ تین چار سال بعد دتاسی نے اس قاعدے کا

ایک ضمیمہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی چنانچہ یہ ضمیمہ بھی ۱۸۳۲ء میں شایع ہو گیا۔

طالب علموں کی ضرورتوں کو پورا کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ دتاسی اپنے ذوق کے مطابق اُردو شہ کاروں کے مطالعہ میں بھی مصروف تھا۔ چنانچہ انہیں دو تین برسوں میں وہ کلیات دلی پر کام کرتا رہا۔ اس شاعر کا کلام اس کو اتنا پسند آیا کہ اس نے ہندستان سے اس کے متعدد قلمی نسخے منگائے۔ اُن کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور عرصہ دراز کی محنت کے بعد ایک قابلِ قدر دیوان مرتب کیا جو ۱۸۳۲ء میں پیرس کے شاہی دارالطبع سے شایع ہوا۔

اس کام میں دتاسی نے جس توجہ اور دلچسپی کو ملحوظ رکھا اس کا اندازہ دیوانِ دلی کے ان مخطوطوں کی طویل فہرست کے مطالعے سے ہو سکتا ہے جو دتاسی نے جگہ جگہ سے منگاکر جمع کیے تھے اور جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں دگنی مخطوطوں کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے۔

دتاسی کا کلیات دلی "کئی حیثیتوں سے قابلِ قدر ہے اس کے ذریعے سے دتاسی نے نہ صرف اُردو کے ایک حقیقی شاعر کی صحیح عظمت اور مقبولیت سے روشناس کیا بلکہ اُردو دُنیا کے لیے قدیم شاعروں کے کلام کو سلیقہ سے ترتیب دینے کا ایک لائق تقلید نمونہ بھی پیش کیا لیکن اس نمونے کے باوجود بھی آج تک اُردو کے بہت کم شاعروں کے کلام اس احتیاط اور توجہ کے ساتھ شایع کیے گئے ہیں۔

دتاسی جہاں دلی جیسے عظیم انسان شاعر کے کلام کی ترتیب و تحقیق میں جو تھا ایک اور اُردو کتاب بھی اس کے زیر مطالعہ تھی۔ یہ تحلیقین کی مثنوی ”کامروپ“ ہے۔ اس کتاب کی طرف دتاسی کی توجہ غالباً اس وجہ سے متعطف ہوئی کہ وہ ایک طویل مسلسل نظم تھی اور یہ وہ چیز ہے جس کی دلی کے یہاں کمی تھی۔ چنانچہ دتاسی نے کامروپ کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بھی ۱۸۳۲ء میں شائع ہوا۔ اس کام کی خوبی اور مقبولیت کا اس واقع سے اندازہ ہوگا کہ اس ترجمے کی اشاعت کے بعد ایک سال کے اندر دتاسی اصل اُردو کامروپ کو شائع کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بھی، اس فرانسیسی محقق نے کئی قلمی نسخے جمع کئے تھے۔ یہ کتاب پیرس کے شاہی دارالطبع سے ۱۸۳۵ء میں چھپ کر نکلی۔ اسی سال دتاسی نے اُردو کی ایک اور مسلسل کتاب گل بکاؤلی کا فرانسیسی زبان میں خلاصہ شائع کیا۔

(۳۴)

تاریخ ادبیات ہندوی و ہندستانی

ان ابتدائی کاموں کے بعد دتاسی کو اُردو کا خاصا ذوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس اثناء میں اس نے ہندستانی مصنفین کی بہت سی کتابیں اور تقریباً جملہ تذکرے اپنے کتب خانے میں جمع کر لیے تھے۔ جو انگریز یا فرانسیسی ہندستان آتے تھے دتاسی ان سے مراسلت کر کے اُردو خطوط اور مصنفین کے حالات طلب کیا کرتا چنانچہ اس مضمون کے آخری حصے کے مطالعے سے واضح ہو گا کہ اس سلسلے میں اس زمانے کے تمام مستشرقین سے اس کی شناسائی ہو چکی تھی۔ نیز ہندستانی ادبیات کے شوقین تیس چالیس یورپین افراد سے بھی اس کو تعلق پیدا کرنا پڑا۔ خوش قسمتی سے دتاسی کی کاوشیں اکثر دفعہ کارگر ہوئیں۔ اس کا گھر ہندستان کے شاہی اور دوسرے عالی شان کتب خانوں کے بعض اچھے اچھے مخطوطوں یا ان کی نقلوں سے مالا مال ہو گیا۔ مطبوعہ کتابیں اس کے ہاں بطور تحفہ آنے لگیں اور بعض دفعہ اس کے لیے اس کے دوستوں نے خود مصنفین سے ان کے حالات دریافت کر کے روانہ کیے۔

ان تمام سہولتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دتاسی چار پانچ سال کی محنت

کے بعد ہندستانی ادب کی ایک تاریخ مرتب کرنے میں کامیاب ہو گیا جو ۱۹۳۹ء میں ”تاریخ ادبیات ہندوی و ہندستانی“ کے نام سے ایک جلد میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب رائل ایشیائیٹک سوسائٹی گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ کے سلسلہ مطبوعات میں شریک تھی اور اس کو دتاسی نے ملکہ معظہ وکٹوریہ کے نام پر ان کی اجازت سے معنون کیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں دتاسی نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن دو ضخیم جلدوں میں پیرس کے شاہی دارالطبع سے شائع کیا۔ یہ تاریخ نہ صرف یورپی زبانوں میں اس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی تصنیف تھی بلکہ خود اردو میں بھی اس طرح کا کوئی کام اس وقت تک نہیں کیا گیا تھا۔ یہ واقعی ایک عبرت کی بات ہے کہ ایک غیر شخص پہلی بار ہماری زبان و ادب کی تاریخ لکھ کر ہمارے آگے پیش کرتا ہے۔ بعد کو جب دتاسی کی معلومات میں اور اضافہ ہو گیا تو اس نے اس کا ایک اور ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں تین جلدوں میں شائع کیا۔

دتاسی کا یہ کارنامہ دیوان ولی کی اشاعت سے بھی زیادہ اہم تھا گو اس میں بعض جگہ غلطیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے ان غلطیوں کا پایا جانا ایک فطری بات تھی۔ جو کچھ مواد اردو تذکروں، محفوطوں کی اندرونی شہادتوں اور ادیبوں اور مستشرقین کے بیانات سے حاصل ہو سکا اس کو دتاسی نے خاص سلیقے اور خوبی سے ایک کارآمد کتاب کی شکل میں پیش کر دیا۔ ہمارے تذکرہ نویسوں کے مبالغہ آمیز بیانات اور مبہم اسالیب بیان اکثر دفعہ خود ہماری زبان

کے اہل تحقیق کو پریشان کر دیتے ہیں گارساں دتاسی تو ایک بالکل غیر ملکہ اور غیر طر زمدن کا پروردہ تھا۔ اس کو ان کتابوں سے اصل مطلب اور کام کی باتیں حاصل کرنے میں جو دقت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ہم اُردو داں شاید ہی کر سکتے ہیں۔

دتاسی کی کتاب کی سب سے زیادہ مفید خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک سائنٹیفک تاریخ ادبیات اُردو ہے۔ ہمارے تذکرہ نویس، شاعروں کے اصل حالاتِ زندگی اور خصوصاً ان کی تاریخِ پیدائش و وفات یا کتابوں کے سنین تصنیف کے اظہار میں ہمیشہ غافل رہے ہیں۔ دتاسی کو بھی اسی کی بڑی سخت شکایت ہے۔ اس نے ضروری حالات اور معتبر تواریخ معلوم کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ اور ان تاریحوں وغیرہ کے لحاظ سے تو دتاسی کا یہ کام بے حد قابلِ قدر ہے۔

یہ کارنامہ ابھی اختتام تک نہیں پہنچا تھا کہ اس کی اہمیت کا دتاسی کے ہم وطن ہم عصروں نے اندازہ لگا لیا۔ فرانسیسی علماء اس کی شکلات اور کام کی خوبی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ”تاریخ ادبیات ہندی و ہندستانی“ کی اشاعت سے ایک سال قبل ہی یعنی ۱۸۳۸ء میں گارساں دتاسی کو فرینچ اکیڈمی کا رکن بنا لیا۔ یہ وہ عزت ہے جو فرانس میں بہت کم ادیبوں اور محققوں کو اس عمر میں حاصل ہوتی ہے۔

دتاسی کی تاریخ ادب صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ انگریز مستشرقین میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ چنانچہ اس کی اشاعت کے بعد

ہی اُنھوں نے ہندستانی میں اُس کے ترجمے کا خیال کیا اور آخر
دہلی کالج کے استاد، منشی کریم الدین نے اپنی کتاب طبقات الشعراء
اسی فرانسیسی تاریخ کے ایک آزاد ترجمے کے طور پر شایع کی۔

اس سلسلے میں منشی کریم الدین اور دتاسی کے درمیان
مراسلت بھی جاری رہی چنانچہ دتاسی کے خطوط میں سے ایک دو
ایسے بھی ہمارے نظر سے گزرے ہیں جن کو منشی کریم الدین نے اس
پر دلیلی محقق کے یہاں بطور تحفہ روانہ کیا تھا۔

(۴)

ہندی کا شوق اور اقتدار حیحہ خطبے

تاریخ ادب اُردو کی اشاعت کے بعد دتاسی کچھ عرصہ تک درس و تدریس ہی میں مشغول رہا اور اس بات کی کوشش کی کہ ہندستانی کی دوسری شاخ ہندی پر اور زیادہ مہارت حاصل کرے۔ اس نے اپنی تاریخ میں ہندی مصنفین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اب اس نے محسوس کیا کہ اس طرف اور بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ساتھ ہی گارساں دتاسی نے اُردو کام کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا چنانچہ ۱۸۴۵ء میں میاں مسکین کے ایک مرثیے کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا اور اسی زمانہ میں گورنر جنرل لارڈ ایلن برو کے اس فرمان کا بھی ترجمہ چھپوایا جو مندر سومات کے دروازوں سے متعلق شائع کیا گیا تھا۔

پیرس کے مدرسۃ السنہ مشرقیہ (ایکول دے لانگ اورینٹال) میں ہندستانی کے ساتھ ساتھ دتاسی ہندی بھی پڑھایا کرتا تھا لیکن فرانسیسی زبان میں اس زبان کے سیکھنے کے لئے کوئی قاعدہ موجود نہ تھا۔ اور یہ کام بھی دتاسی ہی کو کرنا پڑا۔ چنانچہ ہندستانی قواعد کی اشاعت کے اٹھارہ سال بعد ۱۸۴۷ء میں اس نے ”قاعدۃ زبان ہندی“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی جو اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل نئی اور کارآمد

کاوش تھی۔

ان تمام کاموں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دتاسی کی شہرت ہندستان میں پھیل چکی تھی اور نہ صرف انگریز بلکہ ہندو اور مسلمان ادیب بھی اس کے یہاں تنقید و تبصرہ کے لئے اپنے کام روانہ کرنے لگے۔ اس طرح دتاسی کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو گئی۔ اور بغیر زیادہ کدوکاوش کے اس کے گھر ہندستانی ادبیات کا ذخیرہ جمع ہونے لگا۔

جب دتاسی نے دیکھا کہ مستقل طور پر ہندستان سے معلومات حاصل کرنے کے ذریعے پیدا ہو گئے ہیں تو اس نے ہر تعلیمی سال کے آغاز پر اپنے معمولی درسوں سے پہلے ایک خطبہ افتتاحیہ پڑھنا شروع کیا اس خطبے میں وہ سال گزشتہ کی جملہ ہندستانی ادبی اور علمی تحریکوں پر نظر بازگشت ڈالتا تھا۔ اس قسم کا پہلا خطبہ ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا اور یہ سلسلہ مسلسل انیس سال تک یعنی ۱۸۸۶ء تک جاری رہا۔

دتاسی کے یہ خطبے تاریخی حیثیت سے بے حد قیمتی ہیں۔ ان سے ہندستانی زبان و ادب کی سن وار سالانہ ترقی محفوظ ہو گئی ہے اور محققین کے لیے ایک نہایت مفید مواد حاصل ہو گیا ہے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے بعض مطبوعہ خطبوں کے اردو ترجمے انجمن ترقی اردو کے رسالہ اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے وہ لوگ جو فرانسیسی نہیں جانتے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان خطبوں نے دتاسی کے زمانے میں ہندستانی ادب کی حمایت

و اشاعت کا بہت کچھ کام کیا ہے۔ چنانچہ دتاسی کی وفات کے بعد فرانسیسی اکیڈمی کے صدر نے مجلس میں سرکاری طور پر جب اس کے اوصاف بیان کیے تو دورانِ تقریر میں ان خطبوں کا بھی ذکر کیا۔ اس کے الفاظ کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔

”مدرسۃ السنۃ مشرقیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے دتاسی ہر سال اپنے لکچروں کو ایک خطبے سے شروع کرتے تھے جس میں وہ گزشتہ سال کی ادبی تحریکات ہند پر نظر ثانی کرتے۔ یہ تبصرہ اتنا صحیح اور ثقہ ہوتا تھا کہ اس کو نہ صرف اہلِ فرانس ہی پڑھتے بلکہ انگلستان، روس اور ہر اس جگہ کے لوگ جہاں مشرق سے دلچسپی لی جاتی، اس تبصرہ کا غور و خوض سے مطالعہ کرتے تھے خود ہندستان میں ہمارے رفیق کار کی رائے کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا تھا۔“

اس اثناء میں دتاسی کی نظر سے ایک اُردو ڈرامہ گزرا، اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ اُردو ادب میں اس صنف کی قابلِ افسوس کمی ہے اس لیے اس ڈرامے کو اس نے غور سے پڑھا، اور نہ صرف یہی بلکہ، اس کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی کیا جو ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا۔

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ اس زمانے میں دتاسی ہندی کی طرف بھی متوجہ تھا۔ اس سلسلے میں یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ ۱۸۵۲ء عیسوی میں اُس نے ”شکنتا نامک“ کا ایک فرانسیسی ترجمہ شائع کیا۔

دو سال بعد ۱۸۵۴ء میں دتاسی نے ایک اور دلچسپ کام ختم کیا

یعنی ”ہندوستان کی عورت شعراء“ پر اُس نے ایک کتاب شایع کی جو اپنے موضوع کے لحاظ سے واقعی نئی چیز تھی۔

دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۵۵ء میں دتاسی کی ایک اور قابلِ قدر کتاب شایع ہوئی جس کا نام ”ہندستانی مُصنِیفین اور ان کی تصانیف“ ہے۔ یہ کتاب گوفیم نہیں لیکن تاریخ ادبیات اُردو لکھنے والے کے لیے نہایت مفید ہے اور حوالہ جات کی کتابوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب اصل میں اس کا پانچواں سالانہ خطبہ تھا جو اُس نے ۱۸۵۵ء میں سالِ تعلیمی کے آغاز پر دیا تھا۔

اس کے بعد کے دو برسوں میں اگرچہ اس فرانسیسی محقق کی کوئی نیا کتاب شایع نہیں ہوئی لیکن یہ ملحوظ رہے کہ وہ ہر سال جو خطبہ افتتاحیہ پڑھا کرتا تھا وہ ساقہ ہی ایک رسالہ کی شکل میں شایع ہو جاتا تھا۔ اس موقع پر اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اُس نے جو خطبہ لکھا وہ اس زمانے کے قیامت خیز واقعات کا ایک ہم عصر تبصرہ ہونے کی وجہ سے نہایت قیمتی ہے۔

اس عرصے میں دتاسی نہال چند لاہوری کی کتاب ”تاج الملوک لکھاؤلی“ پر بھی کام کرتا رہا تھا چنانچہ اس کا ترجمہ ۱۸۵۸ء میں شایع ہوا۔

(۵)

۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۵ء تک

اب دتاسی بہت بوڑھا ہو چلا تھا مگر اس کی علمی دلچسپیاں اور کام کاج برابر جاری تھے۔ اس کی عمر پینٹھ سے زیادہ تھی جب اس نے سرسید احمد خاں کی مشہور کتاب ”انارالصنادید“ کا فرانسیسی ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اس کتاب کی موجودہ ادبی اور تاریخی اہمیت سے اہل نظر نادا قف نہیں ہیں۔ لیکن ستر برس پہلے ایک اجنبی پروفیسر کا اپنے بڑھا پے میں اس کے ترجمے کا ارادہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کتاب نے اس کو کتنا متاثر کیا تھا اور یہ بھی کہ دتاسی کا ذوق علم کس قدر اعلیٰ تھا کہ ترجمے کے لیے فوراً اس کتاب کو انتخاب کر لیا۔ یہ ترجمہ ۱۸۶۱ء میں پیرس کے شہنشاہی مطبع سے چھپ کر نکلا۔

دو سال بعد ۱۸۶۳ء میں دتاسی نے اپنے قدیم ”قاعدہ زبان ہندوستانی“ پر نظر ثانی کر کے اس کی دوسری طبع شایع کی۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۸۳۳ء میں شایع ہوئی تھی اور تیس سال کا درسیاتی عرصہ درس و تدریس کے علمی تجربوں کے لحاظ سے کافی سبق آموز تھا۔ بعد کے چند مہینے اُردو ”اخوان الصفا“ کے اقتباسات سے ترجمے میں گزرے اور یہ ترجمہ ۱۸۶۴ء میں شایع ہوا۔

اس کے بعد پانچ چھ برس تک دتاسی نے کوئی نیا کام نہیں کیا البتہ سالانہ افتتاحیہ خطبے تیار کرنا رہا جو ہر سال وسعت معلومات اور

چنگی نقطہ نظر کی وجہ سے زیادہ پُر لطف اور مفید ہوتے جاتے تھے اس عرصے میں "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" کو چھپے ہوئے تیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے اور دہائیائی زمانے میں گارساں دتاسی کی معلومات سرعت کے ساتھ ترقی کر چکی تھیں اس لحاظ سے ضروری تھا کہ وہ اس پر نظر ثانی کرتا۔ چنانچہ خوش قسمتی سے پچھتر برس کی عمر میں وہ یہ کام بھی کر سکا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے اس کی تاریخ کی دوسری طبع، اس دفعہ تین جلدوں میں، مشعلہ میں شایع ہوئی۔

اس طبع کے وقت وہ پروفیسر اور محقق کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں اس کے قدردان پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہوں کے درباروں سے اس کو بڑے بڑے خطابات عطا کئے تھے۔ اس کی جماعتوں میں طالب علموں کی کثرت تھی اور اکثر یونوان مستشرق اس کے اسی سال کے تجربوں اور معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اس کی اس مقبولیت کا اندازہ اس مضمون کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے جو فرانس کے ایک مشہور رسالہ "صحیفہ علماء" (Journal des Savants) کے مئی ۱۸۷۶ء کے نمبر میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون نگار کا نام بارتھیلی ساں ہلیئر (B. Saint-Hilaire) تھا۔ وہ اپنے مضمون کو جن الفاظ میں ختم کرتا ہے اُن کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ دتاسی کی نسبت اس کے ایک ہم عصر کی مانے معلوم ہو سکے۔

”آج پچاس برس کا عرصہ گزر گیا کہ دتاسی اس کام
(یعنی پروفیسری) کو نہایت خوبی اور کمال سے انجام
دے رہے ہیں اور اُن کے شاگردوں کی تعداد
خاصی ہو گئی ہے۔“

(۶)

آخری زمانہ

دتاسی کی زندگی کے آخری سال کچھ کم مشغولیت میں نہیں گزرے وفات سے ایک دو سال پہلے یعنی ۱۷۸۶ء میں اس نے ایک اہم کام ختم کیا۔ اس کی عمر بیاسی سال کی تھی جب اُس کا یہ کارنامہ شائع ہوا۔ یہ کتاب ہندوستانی، عربی، فارسی، اور ترکی مقبول عام نظموں مقولوں اور تلییوں کے فرانسیسی ترجموں کا مجموعہ تھی۔ اس کی خوبی اور اہمیت کا اندازہ اس امر کے اظہار سے ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسے مستشرق کی مسلسل محنت اور حصول معلومات کا نتیجہ ہے جس نے اپنی زندگی کا سارا بہترین زمانہ (یعنی ساٹھ ستر سال) اسلامی زبانوں، تہذیب اور ادبیات کے مطالعے اور درس و تدریس میں گزار دیا۔

اس دلچسپ کتاب کی ترتیب کے ساتھ ساتھ دتاسی ایک اور اہم علمی خدمت میں مشغول تھا۔ چونکہ وہ خود بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے اپنے شاگرد رشید دیلانکل (F. Delangle) سے اس نے ایک ”ہندوستانی فرانسیسی اور فرانسیسی ہندوستانی لغت“ تیار کرنے کی فرمائش کی اور خود اس کام کی شروع سے آخر تک نگرانی کرتا رہا۔ یہ اعلیٰ درجے کا کارنامہ بھی ۱۷۸۶ء میں شائع ہوا۔

ان دو اہم کتابوں کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ہی دتاسی نے میسر امن کی ”باغ و بہار“ کا فرانسیسی ترجمہ شروع کیا جو ۱۸۷۸ء میں اس کی وفات سے چند مہینے پہلے چھپ کر نکلا۔ لیکن یہ کتاب دتاسی کا آخری کارنامہ نہیں تھی۔ اس کی آخری کوشش ”مسلمانوں کے نام اور خطاب“ کے نام سے شائع ہوئی اس کتاب کا موضوع بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ فرانسیسی محقق اپنی آخری عمر میں اسلام اور مسلمانوں پر کام کرنے میں مشغول تھا۔ اور اسلامی تصوف کا وہ ذوق جس نے عیسائیوں میں اس کی عمر میں اس کو اسلامی زبانوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کیا تھا، چوراسی برس کی عمر میں یعنی ۱۸۷۸ء تک اس سے کام کرتا رہا۔

دتاسی ایک اُن تھک محنت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی ساری عمر پر خلوص علمی خدمت میں گزری۔ فرانسیسی زبان میں ہندوستانی کے تعلق اُس نے جو معلومات منتقل کی ہیں اتنی معلومات چاری زبان کی نسبت خود انگریزی میں بھی اب تک موجود نہیں۔ حالانکہ اس وقت تک کئی انگریز علماء اس موضوع پر کام کرتے رہے ہیں اور انہیں دتاسی کے مقابلے میں ہر طرح کی سہولتیں بھی حاصل رہیں۔

دتاسی نے ایک کامیاب زندگی بسر کی۔ خوش قسمتی سے اس کے زمانے نے بھی اس کی وسعت معلومات اور غیر معمولی لیاقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اس کی محنتوں کے بار آور ہونے کے لئے ہر طرح کی امداد پہنچائی۔

گارساں دتاسی

فرانس میں اس کی کماحقہ، عزت افزائی ہوئی۔ نہ صرف
انستیتوت و فرانس جیسی رفیع شان مجلس کا وہ رکن بنایا گیا
بلکہ "شیوالیر دلائزئوں دائر"

(Chevalier de la Legion d'honneur)

جیسا اعلیٰ رتبہ بھی اس کو حاصل ہوا۔ دوسرے ملکوں سے اس کو جو
خطابات عطا ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ پرتگال -

"Commandeur del' ordra de saint

Jaque du Portugal"

۲۔ سویڈن

"Chavalier de l' Etoile Polaire de Suede"

۳۔ ہندستان -

"Knight of the Imperial order of the star of india"

ان درباری اور سیاسی ہمت افزائیوں کے علاوہ دتاسی کی حقیقی
علیٰ قدر و منزلت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پیرس کی مشہور
ایشیائیک سوسائٹی کا نہ صرف بانی تھا بلکہ آخر میں اس کا صدر بھی
منتخب ہوا تھا۔ سینٹ پیٹرس برگ، برلن، وینا، فلارنس، اسپان
وغیرہ جیسے اہم مقامات اور دارالحکومتوں کی مشہور علیٰ اکسڈمیوں
اور اعلیٰ مجلسوں کا مصروف رکن ہونے کے علاوہ دتاسی، لندن، کلکتہ

گارساں دتاسی کا نام ایک اُن تھک کام کرنے والے
ایک بچہ مستشرق کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا
لیکن جس چیز کی ہم (جو انہیں جانتے تھے) تعریف
کرنے پر مجبور ہیں وہ اُن کے اخلاق، نرم دلی اور
ناقابل قبول انکسار ہے وہ دوسروں کے مقابلے
میں خود کو چھوٹا سمجھنے کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔
اپنے آباؤ اجداد کے مذہب عیسائیت کے
وہ پورے معتقد تھے اور صبر و رضا کے ساتھ
انتقال کیا۔“

(۷)

دتاسی کی تصنیفات

ہوں تو اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ پر دتاسی کی کتابوں اور ان کی خصوصیتوں کا ذکر گزر چکا ہے لیکن آخریں ان کی ایک فہرست بلحاظ نوعیت لکھ دی جاتی ہے تاکہ اہل اُردو ایک نظر میں معلوم کر سکیں کہ اس محسن اُردو نے ہماری زبان کے لیے کیا کیا کام انجام دئے تھے اور اس کی نظر میں مشرقی زبانوں کی کونسی کتابیں اور ان سے متعلقہ کونسے موضوع اہمیت رکھتے تھے۔ اس کے کارنامے تین قسم کے ہیں۔

۱۔ اُردو کتابوں اور تحریروں کے فرانسیسی تراجم

ب۔ اصل اُردو کتابوں کی ترتیب اور اشاعت

ج۔ فرانسیسی میں کتابیں۔

۱۔ تراجم

(۱) منطق الطیر فارسی

(۲) شنوی اثر در نامہ میر تقی میر مطبوعہ ۱۸۳۶ء

(۳) شنوی کامروپ تحسین الدین ۱۸۳۳ء

(۴) خلاصہ گل بکاؤلی ۱۸۳۵ء

(۵) مرثیہ مسکین ۱۸۴۵ء

گارساں و تاسی

- (۶) فرمان و انسرائے دربارہ سومنات مطبوعہ ۱۸۴۵ء
 (۷) اُردو ڈرامہ ۱۸۵۰ء
 (۸) شکنمناگ ۱۸۵۲ء
 (۹) آثار الصنادید ۱۸۶۱ء
 (۱۰) اخوان الصفا ۱۸۶۴ء
 (۱۱) اُردو، فارسی، عربی، ترکی کے مشہور مقولوں، نظموں اور تعلیموں کا ترجمہ ۱۸۶۶ء

ب - ترتیب

- (۱) کلیات ولی اورنگ آبادی مطبوعہ ۱۸۳۴ء
 (۲) شہزادی کامروپ تحسین الدین ۱۸۳۵ء

ج - تصنیف و تالیف

- (۱) اُردو کا قاعدہ ۱۸۲۹ء مطبوعہ
 (۲) ادب اُردو و ہندی کی تاریخ ۱۸۳۵ء
 (۳) ہندی کا قاعدہ ۱۸۴۶ء
 (۴) خطبہ افتتاحیہ ۱۸۵۰ء
 (۵) ہندوستانی شاعر عورتیں ۱۸۵۴ء
 (۶) ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات ۱۸۵۵ء

(۷) اُردو کا قاعدہ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۳ء
 (۸) ادب اُردو و ہندی کی تاریخ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۴ء
 ان کے علاوہ بیسیوں خطبے، مقالے اور تقریریں کتابوں اور
 کتابچوں کی صورت میں شائع ہوئیں۔ ان میں دتاسی کے ۱۹ اقتحاجی
 خطبات کا ایک ضخیم مجموعہ ”ہندستانی ادب از ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۴ء“ خاں
 قابل ذکر ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ حال میں انجن ترقی اُردو کی طرف سے
 تقریباً نو سو صفحات میں شائع ہوا ہے۔

دتاسی کی کتابوں کے دیگر اُردو تراجم کے سلسلے میں اس امر کا
 اظہار بھی ضروری ہے کہ اس کی کتاب ”ہندستانی مصنفین اور ان
 کی تصنیفات“ کا اُردو ترجمہ اُردو کے مترجم شمس العلماء منشی ذکا اللہ
 دہلوی نے اصل کتاب کی اشاعت کے دوسرے ہی سال یعنی
 ۱۸۶۴ء میں شائع کیا تھا۔ اور اس کے چار سال قبل تاریخ ادبیات
 ہندستانی کا ترجمہ منشی کریم الدین نے ”طبقات الشعراء“ کے نام
 سے ۱۸۶۲ء میں چھپوایا تھا۔

(۸)

دتاسی کا کتب خانہ

دتاسی کتابوں کا کٹڑا تھا۔ اس نے ہزار ہا کتابیں جمع کی تھیں۔ اس کے کتب خانے کی فہرست سے یہاں ہم صرف ایسی کتابوں کے نام اور تفصیلات درج کرتے ہیں جن سے ادب اُردو کی نسبت تاریخی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۔ دکنی مخطوطہ

۱۔ قصص الانبیاء - محمد بن حسن الدینوری الحنفی کی فارسی کتاب "قصص الانبیاء" کا دکنی ترجمہ از عبدالصمد عبدالوہاب خان ابن نصریت اصل فارسی کتاب ثعلبی کی عربی قصص الانبیاء کا ترجمہ تھی۔

خوش خط مخطوطہ - نظام آباد یا ارکاٹ (تحصیل محمد پور) میں ۱۲۲۳ھ (م ۱۸۱۶ء - ۱۸۱۸ء) نقل کیا گیا - ۲۱۱ ورق (کنڈاگ نمبر ۲۶۸۵)

۲۔ خزانہ عبادت - طویل ثنوی، مصنفہ شاد محمد قادری سنہ تصنیف

۱۰۹۹ھ (م ۱۷۸۲ء) دکنی مسلمان اس کتاب کی بہت عزت کرتے ہیں مخطوطہ خوش خط نستعلیق میں، شہر داس میں ۱۸۴۷ء

میں نقل کیا گیا۔ کاتب غلام قادر۔ گارساں دتاسی کو یہ نسخہ یاد پوری کے موسیو اے، سسے (M.E Sice) نے دیا تھا۔ ۲۸۷ ورق

(کٹلاگ نمبر ۲۷۶)

(۳) قصہ فیروز شاہ — مصنفہ محمد عاجز دکنی مصنف لعل و گوہر
یہ مخطوطہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی ملکیت رہ چکا تھا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۴)
(۴) قصہ پیغمبریں — ملا محمد باقر مجلسی کی فارسی کتاب ”حیات القلو“
کا اردو ترجمہ۔ از دلی محمد بن حافظ مسیراں۔ مخطوطہ پانڈیچری میں
نقل کیا گیا تھا۔ خط بہت اچھا، (کٹلاگ نمبر ۲۷۸۲)۔

(۵) دیوان ولی — شاہ محمد ولی اللہ۔ جہاں جہاں سمجھ میں
نہیں آیا، یا جہاں الفاظ متروک نظر آئے کاتب نے اپنے زمانے کے
الفاظ داخل کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر دفعہ اُس نے غالباً اپنے
اشعار داخل کر کے انہیں ولی سے منسوب کر دیا ہے۔ ۱۸۲ صفحات۔
(اس مخطوطہ کا نام دتاسی نے دیوان ولی مخطوطہ ای (M.E.) رکھا
تھا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۱)۔

(۶) دیوان ولی — یہ مخطوطہ گارساں دتاسی کے خطوطات
دیوان ولی میں سب سے زیادہ مکمل، صحیح، قدیم اور قابل وثوق
ہے۔ اُسی کے مطابق دتاسی نے اپنا دیوان ولی مرتب کیا تھا۔ اس
کا نام مخطوطہ نمبر ۱ (M.A.) تھا۔ اس کا کاتب سمجھ دار اور محتاط
آدمی ہوگا۔ ۱۲۵ ورق۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۲)۔

(۷) دیوان ولی۔ مخطوطہ ۵ (M.D.) قدیم، نہایت صحیح
لیکن کاتب نے وہ اشعار چھوڑ دیے جن کو وہ سمجھ نہ سکا۔ یہ مخطوطہ

ستونی ڈبلیو پرائس کی ملکیت تھا اور اسی سے اس مستشرق نے اپنی ”ہندستانی گرامر“ میں تین غزلیں منتخب کر کے شایع کی ہیں۔ ۲۴۰ ورق۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۳)

(۸) دیوانِ دلی — مخطوطہ سی (M.C.) مورخہ ۲۶ صفر ۱۲۲۲ جلوس محمد شاہی۔ لکھا نہیں کہ کس شہر میں، لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں نقل کیا گیا۔ ۲-۲ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۴)

(۹) دیوانِ دلی — مخطوطہ ایف (M.F.) نہایت اچھا نسخہ خوش خط لیکن نامکمل۔ صرف ردیف (د) تک کی غزلیں شامل ہیں یہ مخطوطہ جے ڈبلیو رسل (J.W. Russel) کی ملکیت رہ چکا تھا۔ اور دتاسی کو شہرِ مستشرق شکسپیئر نے دیا تھا۔ ۱۲۶ صفحات۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۵)

(۱۰) دیوانِ دلی — مغل شاہنشاہ محمد شاہ کے کتب خانے کی ملکیت۔ نفیس تحریر، صحیح اور بغیر تغیر و تبدل کے ۲۳۲ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۶)

(۱۱) دیوانِ دلی — مخطوطہ جی (M.G.) مکمل اور بہت اچھی حالت میں۔ بغیر تاریخ۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۷)

(۱۲) دیوانِ دلی — مخطوطہ آئی (M.I.) ایس لی پریسان (S. Lee Paraisan) کی ملکیت مورخہ ۱۲۸۰ء مکمل۔ لیکن بعض جگہ غلط، (کٹلاگ نمبر ۲۸۲۸)

(۱۳) دیوانِ دلی — مورخہ ۱۷۸۰ء پکتانِ فلیس (Fauls) کی فرمائش پر نقل کیا گیا تھا۔ نہایت صاف لکھا ہوا اور مکمل ۲۵۷ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۸۹)۔

(۱۴) دیوانِ دلی۔ خود گارساں دتاسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ اسی سے کلیاتِ دلی ۱۸۳۲ء میں شائع کیا گیا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۳۳)

(۱۵) رسالہ توحید یا کتابُ التصوف۔ صوفیانہ موضوع پر دکنی زبان کی ایک مشہور نظم، ۲۰۹ اوراق، (کٹلاگ نمبر ۲۸۴۵)

(۱۶) توتی نامہ شخصی کی کتاب کا دکنی نظم میں ترجمہ از مولانا غواہی۔ نسخہ نہایت قدیم اور نہایت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ حمد و نعت کے بعد ایک فصل چار صفحے کی سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں ہے۔ ۲۰۰ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۴۹)

(۱۷) لعل و گوہر — از محمد عاجز دکنی۔ ایک خوش خط مجموعے میں شامل ہے۔ آخر میں سحر البیان بھی نقل کی گئی ہے۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۲)

(۱۸) قصۂ لعل و گوہر — از محمد عاجز دکنی۔ ایک مجموعہ میں شامل ہے جس میں ”مفرح القلوب“ ترجمہ مہتو پدیش بھی منقول ہے۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۶۳)

(۱۹) پنجھی باچھا — ”منطق الطیر“ فرید الدین عطار کا دکنی ترجمہ از وحید الدین۔ مصنفہ ۱۱۳۳ھ (م ۱۷۱۲ء - ۱۷۱۳ء) یہ مخطوطہ پانڈیچری کے موسیو سسے کی ملکیت رہ چکا تھا۔ اور حضور نظام حیدر آباد

کے کتب خانے سے نقل کیا گیا تھا۔ ۱۷۶ اوراق (مکمل گنبد ۲۸۶)
(۲۰) معراج نامہ — از سید بلاتی دکنی۔ مکتوبہ ۱۲۱۹ھ
(۱۸۰۵ء۔ ۱۸۰۵ء) کاتب شیخ احمد نے نظم کے آخر میں اپنی پسند
کے اور شعر اضافہ کیے ہیں۔ یہ کتاب ایک مجموعہ میں شامل ہے۔
جس میں ۱۳ متفرق ثنویاں اور غزلیں ہیں۔ (مکمل گنبد ۲۸۶)
(۲۱) تزویج بی بی فاطمہ — از بلاتی یا نظام الدین یہ کتاب بھی
متذکرہ بالا مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۲) کھوپری نامہ — از نظام الدین دکنی۔ یسوع مسیح کا ایک
قصہ۔ یہ بھی متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔ ہیربلو (D. Herbelot)
نے ایک کتاب قصۃ الجحش کا ذکر کیا ہے جس میں یہی قصہ بیان کیا
گیا ہے۔

(۲۳) قصۃ دجیہ کلبی۔ ایک صحابی کا قصہ۔ ٹھیٹ دکنی زبان
میں از جمیدی یا عابدی، آخر میں دو قصیدے بھی ہیں۔ مکتوبہ ۱۲۲۱ھ
۱۳ صفحات، یہ بھی متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۴) مردی کے احوال، یا مردی احوال — ۸، صفحات کی
ثنوی جس کو دتاسی نے وجید دکنی کے نام سے منسوب کیا ہے۔
متذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۵) قصۃ حضرت علی سیل۔ جمیدی دکنی مصنفہ ۱۲۱۹ھ
اس کا اصل نام غالباً وہی ہے جو الیٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ

کے نسخے پر لکھا ہے۔ یعنی قصہ در احوال جان محمد حنیف مکتوبہ ۱۲۱۸ء
۳۷ صفحات تذکرہ مجموعہ میں شامل ہیں۔

(۲۶) مجلس طفلی - یہ غالباً مرثیہ ہے ۲۲ صفحات - نظم نامی
شاعر سے منسوب ہے جس کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ تذکرہ
مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۷) قصہ چند بدن و ماہیار - از میر حیدر شاہ دکنی ۳۱ صفحات
اس کا ایک نسخہ مہاراجہ چند لال حیدر آباد کے کتب خانے میں تھا
تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۸) قولر نامہ خاتون جنت - ثنوی ۵۱ صفحات - نام مصنف
نامعلوم۔ تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۹) وفات نامہ خاتون جنت - نظم، ۱۵ صفحات، نام مصنف
نامعلوم۔ تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۰) قصہ ملکہ بادشاہ - نظم از محمد پیر دکنی۔ مصنف کہتا ہے
کہ یہ کتاب فارسی کا ترجمہ ہے۔ دراصل اس یونانی ملکہ کا قصہ فارسی
میں بھی موجود ہے جس کا ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانے میں
محفوظ ہے۔ ۳۴ صفحات، تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۱) قصہ ڈولی نامہ - ثنوی از شاہ محمد زمان یار دکنی،
۱۹ صفحات تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۲) قصہ ابوالفیض نوری - نظم - نہایت دلچسپ قصہ

از خانی دکنی - ۳۰ صفحات تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۳) قصہ ماہ منور سوداگر بچہ و شمشاد بانو دختر فرنگی - از دیدار دکنی نامکمل نسخہ ۲۲ صفحات ایک مجموعہ میں شامل ہے جس میں قصہ رضواں شاہ فائز بھی داخل ہے (کٹلاگ نمبر ۲۸۶)

(۳۴) قصہ رضواں شاہ از فائز دکنی ۱۷۸۷ء - اشک نے اسی مضمون پر ایک قصہ نثر میں لکھا ہے - ۲۰۲ صفحات تذکرہ مجموعہ میں شامل ہے۔

(۳۵) قصہ شیخ زا (ضیا) دکنی میں ایک چھوٹی سی صوفیانہ شہسوئی جو بحر مل میں لکھی گئی ہے۔ نسخہ نہایت بے احتیاطی سے نقل کیا گیا اور ماسل کے کتب خانے کی ملکیت ہے جو قومی کتب خانے (ببلیوٹیک نیشنل) کا ناظم تھا (کٹلاگ نمبر ۲۸۷)۔

(۳۶) گلشن عشق - از نصرت دکنی (۱۶۵۸) یہ نسخہ لیڈن کی ملکیت رہ چکا تھا۔ مورخہ ۱۷۵۸ء از خط رمز علی چشتی ۲۹۸ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۷)۔

(۳۷) کرنا - ہند نامہ سعدی، فارسی، مع ترجمہ بزبان دکنی اردو ۳۳ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۸)۔

(۳۸) جنگ نامہ سہراب و رستم - شاہ نامہ کے ایک حصہ کا ترجمہ از منشی کاظم الدین دکنی - سر ریوس شمینی ہون کی ملکیت ۴۵۰ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۹)۔

(۳۹) ترجمہ انوار سہیلی - بزبان دکنی - نام مصنف نامعلوم
 نہایت خوش خط مخطوطہ مورخہ ۱۱۷۹ھ (۱۷۰۵ء) آوم کلارک کی
 ملکیت (کٹلاگ نمبر ۳۸۹۲)۔

(۴۰) ترجمہ انوار سہیلی - نہایت خوش خط نسخہ - مہری شینڈلر
 (Henry Chandler) کی ملکیت - حاشیہ پر انگریزی
 میں نوٹ ہیں - ۱۸۰ اوراق (کٹلاگ نمبر ۲۸۹۳)

(۴۱) دکنی غزلیں - چھوٹا خوب صورت مخطوطہ - دتاسی گو، موسیو
 ای، سے (M.E. Sice) نے دیا تھا - (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۳)
 (۴۲) ایک دکنی قصہ - دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا - ۵۱ صفحا
 (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۵)

(۴۳) ایک دکنی قصہ - دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا - نام مصنف
 نامعلوم (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۷)
 (۴۴) ایک دکنی قصہ - دتاسی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا - متذکرہ بالا
 قصہ کے ساتھ شامل ہے۔

(ب) قلمی اردو تذکرے

۱۔ تذکرہ فتح علی حسینی گردیزی - ۱۱۵۳ھ (م ۱۷۴۰ء) (کٹلاگ نمبر ۲۹۱۸)
 شمال اور دکن کے سوشا عروں کے حالات - کپتان ٹرویر (Troyer)
 نے ٹیپو سلطان کے ایک مخطوطے سے نقل کیا - خوش خط ۱۷۰ صفحا
 اس کی اور نقییں ایسٹ انڈیا ہاؤس، اولسے (Ousley) کلکشن

اور کتب خانہ وزیر نظام میں موجود ہیں (کٹلاگ نمبر ۲۹۴۱)
 (۲) تذکرہ شعراے ہندی از غلام بہدانی معافی (۱۸۶۰ء تا ۱۸۸۵ء)
 محمد شاہ کے عہد ۱۸۱۰ء سے ۱۸۸۳ء تک کے شاعروں کے حالات۔
 فورٹ ولیم کے کتب خانے سے یہ نسخہ ۱۸۳۲ء میں نقل کیا گیا۔
 ۱۵۴ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۸)

(۳) گلزار ابراہیم - تین سو ہندوستانی شاعروں کا تذکرہ، مصنفہ
 علی ابراہیم امین الدولہ ناصر جنگ، یہ کام ۱۸۶۲ء میں شروع کیا گیا۔
 اور ۱۸۸۳ء میں ختم ہوا۔ خط نسخ میں نہایت احتیاط کے ساتھ موسیو
 ٹرویہ نے گارساں دتاسی کے لئے نقل کیا۔ (کٹلاگ نمبر ۲۸۸۲)
 (۴) گلزار ابراہیم - از علی ابراہیم - خوش خط نستعلیق میں
 نسخہ ٹرنر ماکن (Turner Macan.) ایڈیٹر "شاہ نامہ" کی ملکیت
 رہ چکا تھا۔ ۲۵۱ ورق (کٹلاگ نمبر ۲۸۱۱)

(۵) گلشن ہند - از مرزا علی لطف فرزند کاظم بیگ خاں
 مورخہ ۱۲۱۵ھ - (م ۱۸۱۵ء - ۱۸۸۰ء) لطف نے دیباچہ میں لکھا
 ہے کہ اس نے اپنے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ صر صر
 پہلا حصہ جو ساٹھ بڑے شاعروں پر مشتمل ہے مکمل ہے۔ دوسرا
 ختم نہیں ہوا۔

سید ذوالفقار علی تجلی نے تاریخ ۱۲۲۳ھ (م ۱۸۳۶ء - ۱۸۳۸ء)
 وزیر نظام حیدر آباد کے نسخے سے نقل کیا۔ دتاسی کو کرنل سیٹوارڈ

(Steward) نے تحفہ دیا تھا۔ ۴۰۰ صفحات (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۴)

(۶) مجموعہ نغز - از ابوالقاسم دہلوی (۱۸۰۶ - ۱۸۰۷ء)
تقریباً آٹھ سو شاعروں کے حالات لکھے ہیں نہایت خوش خط مخطوط
۹۱۸ اوراق، (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۴)

(۷) عمدہ نقشب - از میر محمد خاں اعظم الدولہ سردار ابن نواب
ابوالقاسم مظفر خاں بہادر، بارہ سو شاعروں کے حالات ۱۲۲۱
م ۱۸۰۶ء - ۱۸۰۷ء) نواب حسین علی خاں بہادر نے ۱۸۲۹ء میں
نقل کیا۔ ۴۰۰ صفحات، (کٹلاگ نمبر ۲۹۳۹)

(۸) دیوان جہاں - انتخاب کلام شعرائے ہند، از مینی نرائین
لاہوری ۱۸۱۴ء۔ ٹی روبک (T. Robake) کے مشورے سے
یہ کام کیا گیا۔ مکتوبہ ۱۸۳۲ء (کٹلاگ نمبر ۲۸۰۸)

(۹) گلشن بے خار، از محمد مصطفیٰ خاں شیفہ مصنفہ ۱۲۴۸
۱۲۵۲ھ (م ۱۸۳۲ء - ۱۸۳۴ء) چھ سو شاعروں کے حالات
یہ کتاب دہلی میں ۱۸۴۵ء میں شایع ہوئی۔ یہ مخطوطہ ۱۸۳۵ء میں
نہایت احتیاط کے ساتھ لکھا گیا، دتاسی کو متوفی پوتروس دہلوی نے
دیا تھا (کٹلاگ نمبر ۲۹۴۰)

(۱۰) نسخہ دل گشتا - یہ کتاب بابو راجندر لال مترا کے تذکرہ
شعرا کا دوسرا حصہ ہے۔ پہلا حصہ کلکتہ میں ۱۸۷۱ء میں شایع ہوا۔
۱۱۰ صفحات جس میں ہندوستانی مصنفین پر ۵۸۷ مضامین ہیں۔

یہ دوسرا حصہ اُن شعراء سے متعلق ہے جن کے نام حروف لکھ سے شروع ہوتے ہیں۔ بہت ہی خوش خط مخطوط (گٹلاگ نمبر ۲۸۰۹) (۱۱) گلدستہ حیدری۔ مصنفہ حیدر بخش حیدری۔ مصنفہ توٹا کہانی یہ کتاب حیدری کی حسب ذیل تین کتابوں کا مجموعہ ہے:-
۱۔ مجموعہ توارخ و سوانح۔

۲۔ دیوان۔

۳۔ شعراء ہندستانی کا تذکرہ

یہ تیسری کتاب اگرچہ ترتیب کے لحاظ سے اچھی ہے۔ لیکن مصنف نے اسے تکمیل کو نہیں پہنچایا۔ مخطوط نہایت اچھی حالت میں ہے، اور خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ۲۶۳ ورق (گٹلاگ نمبر ۲۸۱۲)

۴۔ (ج) اہم ہندوستانی کتب خانوں کے مخطوطات
اس ضمیمے میں دتاسی کے اُن اُردو مخطوطوں کی فہرست درج ہے جو ہندستان کے قابل ذکر کتب خانوں یا اشخاص کی ملکیت تھے اور جو یا تو مجسمہ دتاسی کے یہاں پہنچ گئے یا جن کی نقلیں نہایت اہتمام کے ساتھ تیار کی گئی تھیں۔

۱۔ محمد شاہ کا شاہنشاہی کتب خانہ دہلی۔

دیوان دلی اورنگ آبادی، اعلیٰ درجہ کا خط۔ ص ۱۱ اور بنسیر
تغیر و تبدل کے، ۲۳۲ صفحات (۲۸۲۶) یہ شاہی کتب خانے کا

اصلی نسخہ ہے۔

۲۔ حضور نظام حیدر آباد کا کتب خانہ :-

”پنچھی باچھا“ منطق الطیر کا دکنی ترجمہ از وجیہ الدین مصنف
۱۸۶۶ء اوراق، نظام حیدر آباد کے کتب خانے سے غالباً
موسیو سے نقل کرایا (۲۸۶۷)۔

۳۔ حضور نظام کے وزیر کا کتب خانہ :-

الف۔ ”دیوان افسوس“، میر شیر علی افسوس کا اردو دیوان
شروع میں ایک فارسی مقدمہ ہے جس میں مصنف کی سوانح عمری
لکھی ہے خوش خط مخطوطہ۔ ۲۲۲ صفحات فی صفحہ ۱۵ اسطر، یہ
وزیر نظام حیدر آباد کے کتب خانے کا اصلی نسخہ ہے (۲۸۱۶)۔
ب۔ ”گلشن ہند“ از مرزا لطف مورفہؒ ۱۲۱۵ھ کا کتب
سید ذوالفقار علی تجلی بتایخ ۱۲۳۳ھ غالباً کرنل اسٹیوارڈ نے وزیر
نظام کے نسخے سے نقل کرایا اور تاسی کو بطور تحفہ پیش کیا،
۴۰۰ صفحات (۲۸۰۷)

۴۔ ٹیپو سلطان بادشاہ میسور کا کتب خانہ :-

”تذکرہ گردیزی“ از فتح علی حسینی ۱۲۱۵ھ۔ کپتان ٹرویر نے
ٹیپو سلطان کے ایک نسخے سے نقل کرایا، خوش خط، ۱۷۰ صفحات
اس کتاب کا ایک ایک نسخہ وزیر نظام حیدر آباد کے کتب خانے
اور اوسلے گلکش میں بھی موجود ہے (۲۹۴۱)۔

۵۔ مہاراجہ کالی کرشنا بہادر کے خطوط۔
الف ”قصہ کامروپ“ از تحمین الدین، کاتب لکھتا ہے کہ وہ
اس کو ۲۷ اگھن (نومبر۔ ڈسمبر) کو رقم کرتا ہے، مگر سنہ نہیں لکھا ہے
یہ نسخہ خود مہاراجہ نے دتاسی کو تحفہ دیا تھا۔

ب) ”مصدر فیوض“ اسی نام سے کتاب کا سنہ تصنیف بھی
نکلتا ہے، از نذیر الدین حسن شیخ قریشی ۱۸۱۵ء۔ مصنف لکھتا ہے کہ
یہ کتاب بریلی کے فارسی سیکھنے والوں کے لئے نواب احمد یار خاں بن
محمد ذوالفقار کی فرمائش پر لکھی گئی، مہاراجہ کالی کرشنا کے لئے سید محمد علی
صاحب نے ۱۸۲۹ء میں نقل کیا۔ ۲۲۴ صفحات، یہ مہاراجہ کا اصل
مخطوطہ ہے (۲۹۰۳)۔

۶۔ کتب خانہ ایشیائٹک سوسائٹی بنگال
”ترجمہ تاریخ آسام“ ترجمہ میر بہادر علی حسینی ۱۸۰۵ء۔ ایشیائٹک
سوسائٹی بنگال کے مخطوطے سے پرنسپ نے نقل کرایا اور دتاسی کو تحفہ دیا۔
د) فورٹ ولیم کالج کا کتب خانہ:-

الف۔ ”قصہ فیروز شاہ عاجز دکنی“ (دیکھو دکنی مخطوطے)
یہ اصل مخطوطہ فورٹ ولیم کے کتب خانہ میں تھا۔ نہ معلوم دتاسی کے
یہاں کس طرح پہنچ گیا (۲۸۰۴)۔

ب) ”قصہ کامروپ“ از تحمین الدین، موسیو ٹرویر سکرٹری
ہندو کالج کلکتہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ کتب خانہ فورٹ ولیم کے

ایک نایاب نسخے سے نقل کرایا (۲۸۵۴)۔
ج - ”قصہ یوسف زلیخا“ از محمد امین دکنی (دیکھو دکنی مخطوطے)
یہ مخطوطہ بھی ٹرڈیر کی فرمائش پر فورسٹ ولیم کے اصل مخطوطے سے
نہایت خوش خط نقل کیا گیا۔ ۲۹۹ صفحات (۲۸۸۱)
د - ”تذکرہ ہندی“ از شیخ غلام پھرائی مصحفی (دیکھو دتاسی
کے اردو تذکرے) یہ نسخہ فورسٹ ولیم کے کتب خانے کے مخطوطے
سے ۱۸۳۸ء میں نقل کیا گیا۔ ۱۵۴ صفحات - (۲۹۳۸)

(۹)

دتاسی کے درس اور طریقہ تعلیم

دتاسی کی جماعتوں میں فرانسیسیوں کے ساتھ ساتھ انگریز اور دیگر اقوام کے تشنگانِ علم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ہر سال نئے نئے شاگردوں کے ساتھ پُرانے شاگرد بھی دوبارہ اس سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے۔ خود دتاسی اپنے قدیم طلبہ کو اپنی جماعتوں میں دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ ۴۰ دسمبر ۱۸۷۱ء کو جب اُس نے نئے تعلیمی سال کے آغاز میں افتتاحی تقریر کی تو سب سے پہلے اس نے اسی مسرت کا اظہار کیا۔ وہ کہتا ہے :-

”مجھے دلی مسرت ہے کہ اس تعلیمی سال کے افتتاح پر میں اپنے لکچروں میں اپنے نئے اور پُرانے شاگردوں کو دیکھتا ہوں۔“

بعض دفعہ ایسے ہندوستانی لوگ بھی دتاسی کے درسوں میں شریک ہوتے تھے جو اعلیٰ تعلیم یا سیاحت کی غرض سے اس وقت تک یورپ جانے لگے تھے اور جب کبھی کوئی ہندوستانی ان درسوں میں شریک ہو جاتا تو دتاسی بڑا خوش ہوتا اور اس کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۷۱ء کی افتتاحی تقریر میں اس نے کہا تھا کہ:-

”پیریں میں بدستور ہندستانی درسوں میں لوگ آتے ہیں یہ سچ ہے کہ تعداد بہت زیادہ نہیں مگر جو آتے ہیں وہ عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ میرے درسوں میں بیرونی ممالک کے مشہور لوگوں میں سے جو کبھی تشریف لا کر مجھے سرفراز فرماتے ہیں، میں ہیت رام، روپ رام کا خاص طور پر ذکر کر چکا“

دتاسی اپنی جماعتوں میں اپنی مصنفہ یا مرتبہ کتابوں کے علاوہ ابتدا میں شکسپیر کے مرتبہ ”ہندستانی انتخابات“ پڑھایا کرتا تھا اور بعد کو یعنی ۱۸۵۲ء سے ”توتا کہانی“ اور ”باغ و بہار“ پڑھانے لگا تھا۔ اس کی نسبت وہ خود ۲۹۔ نومبر ۱۸۵۲ء کو کہتا ہے۔

”میں اپنے درسوں کے دوران میں کئی سال تک ”ہندستانی انتخابات“ پڑھاتا رہا ہوں۔ یہ عمدہ انتخاب فاضل سر شکسپیر کا کیا ہوا ہے۔ اور اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالجوں کے نصاب میں داخل تھا اب اس کی جگہ ”طوطا کہانی“ اور ”باغ و بہار“ رکھی گئی ہیں۔ اس سال میں ان کتابوں کی تعلیم دوں گا، نہ صرف اُن انگریزوں کے فائدے کے خیال سے جو میرے لکچروں میں حاضر ہوتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ اُردو میں ان کتابوں کا

طرز تحریر نہایت پاکیزہ اور لطیف ہے۔“
چند سال بعد ”طوطا کہانی“ کی جگہ دتاسی نے تحمین الدین کی کتاب
”کامروپ“ پڑھانی شروع کی۔ وہ اُردو کی دکنی شاخ کو بھی کافی
اہمیت دیتا تھا اور اس کی کتابوں کو بھی سبقاً سبقاً پڑھاتا تھا۔
۷۔ فروری ۱۸۶۱ء کی افتتاحی تقریر میں اس نے کہا کہ:-

”میں اس سال ”باغ و بہار“ فارسی اور لاطینی ہر دو
رسم تحریر میں پڑھاؤں گا۔ یہ کتاب خالص اُردو
زبان میں لکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی ”کامروپ کے
کارناموں“ کی تحمین الدین والے ایڈیشن سے
تشریح کروں گا۔ یہ کتاب دکنی زبان میں ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو دتو، چار چار سال کے بعد وہ اپنے
درس کی کتابیں تنوع اور تبدیلی کی خاطر بدل دیا کرتا تھا۔ چنانچہ
۱۸۵۱ء و ۱۸۵۲ء میں اس نے تاریخ شیرشاہ کو سبقاً سبقاً پڑھایا
تھا۔ وہ ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کی افتتاحی تقریر میں کہتا ہے کہ:-

”میں اس سال شیرشاہ کی تاریخ کے اس حصہ کو
ختم کریں گے جو گزشتہ سال شروع کیا گیا تھا۔“

گارساں دتاسی کا طریقہ تعلیم نہایت باضابطہ اور مفید تھا
وہ پہلے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے اپنے شاگردوں کو اُردو کی
نسبت عام اور جدید ترین معلومات بہم پہنچاتا تھا۔ اس کے بعد

جو کتاب سبقاً سبقاً پڑھانی ہوتی اس کی خصوصیات، اس کے مصنف کے حالات اور اُس کا خلاصہ ذہن نشین کرا دیتا۔ سال کے دوران میں جب وہ نشر پڑھاتا تو شکل الفاظ کے معنی اور اشتقاق کی نسبت تفصیلی معلومات سمجھتا اور ساتھ ہی قواعد صرف و نحو سمجھا دیتا تھا۔ اسی طرح نظم پڑھاتے وقت عروض و بلاغت کو اس خوبی سے واضح کر دیتا کہ اس کے طالب علم اشعار کی تقطیع کرنے اور بحروں کے سمجھنے میں ماہر ہو جاتے تھے۔ ایک اقتتاحی تقریر (۱۹۴۲ء دسمبر ۱۸ء) میں اس نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ :-

”میں مطالعہ کے دوران میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو اوزان بتاتا جاؤں اور جن اصولوں کا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے ان کے مطابق تقطیع کرتا جاؤں“

یعنی پہلے اصول سمجھا کر پھر موقع بہ موقع ان کو مثالوں کے ساتھ منطبق کر کے دکھلاتا تھا تا کہ طالب علم علی طور پر اُردو شاعری کی بحروں اور وزن و قافیہ سے نہ صرف واقف ہو جائیں بلکہ اُردو اشعار کی تقطیع کرنا بھی سیکھ لیں۔

دتاسی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کے درسوں کے فیض یافتہ اصحاب میں اُردو ادب کی اعلیٰ مطبوعات کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ وہ خود اپنے طریقہ تسلیم کی

نیت ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کی افتتاحی تقریر میں کہتا ہے:-
 ”حضرات! مجھے امید ہے کہ میرے لکچر ہندستان
 کی جدید زبان کے علمی اور ادبی مطبوعات کے
 پڑھنے میں کافی طور پر رہنمائی کریں گے۔
 میری تعلیم کا طریقہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں
 تجزیہ کے اصول پر مبنی ہے۔ میں ہر لفظ کی تشریح
 کرتا ہوں اور متن کے معنی و مطالب کے ساتھ
 ساتھ نحوی قواعد پر بھی نظر ڈالتا جاتا ہوں۔ اور
 ہر محاورے کا تجزیہ کرتا ہوں۔ میری دانست میں
 یہی ایک طریقہ حقیقی اور صحیح ترقی کرنے کا ہے۔
 یہ عجیب بات ہے کہ آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ہی اُردو
 کے پہلے پروفیسر نے اُردو کی تعلیم کا اتنا اچھا اور اصولی طریقہ اختیار
 کیا تھا۔

(۱۰)

دتاسی کے شاگرد

یوں تو سیکڑوں اصحاب نے گارساں دتاسی سے فیض حاصل کیا۔ اور اس کی روشن کی ہوئی شمع سے یورپ اور امریکہ اور خود ہندستان کے دور دراز کے علاقوں میں علم و فضل کی روشنی پھیلائی۔ لیکن اُن میں سے متعدد ایسے تھے جن کے علمی ذوق اور زبان اُردو کی خدمات کا خود گارساں دتاسی معترف تھا۔ اس کے درسوں اور صحبت کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا تھا کہ دوسروں میں بھی اُردو ادب اور ہندستانی معلومات سے دلچسپی پیدا ہو جاتی تھی۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بنا پر دتاسی کو اُردو کا اولین اور بہت کامیاب پروفیسر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی ہندوستانی اصحاب مختلف مقامات پر اس منصب پر فائز ہوئے لیکن کسی نے اُردو کے ذوق کو عام کرنے اور اُردو کے خدمت گزاروں کی مستعد جماعت پیدا کرنے میں اتنی کامیابی حاصل نہ کی۔ اس خصوص میں ہندستان میں صرف وحید الدین سلیم نے اس کی ہمسری حاصل کی لیکن وہ بھی تصنیف و تالیف کے میدان میں دتاسی سے بہت پیچھے تھے۔ اپنے جن شاگردوں کی اُردو خدمات اور اُردو سے دلچسپی کا خود گارساں دتاسی نے کسی نہ کسی جگہ ذکر کیا ہے اُن میں سے بعض

یہ ہیں :-
۱۔ اٹلے | میجر ایم۔ ایس اٹلے دتاسی کا انگریز شاگرد تھا اور اُردو میں اتنی قابلیت پیدا کر لی تھی کہ جب سلسلہء کے اواخر میں کیمبرج یونیورسٹی میں پہلی بار اُردو کی پروفیسری قائم کی گئی تو اٹلے، اور سر سید احمد خاں نے یہ عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء کو میجر جے، جی، اسٹین کا اس خدمت پر تقرر ہو گیا۔ گارساں دتاسی نے اپنے اس شاگرد اور اس کی اُردو بیانت کا ذکر ۷ فروری ۱۸۹۷ء کی تقریر میں اس طرح کیا ہے:-

”موصوف (اٹلے) میرے لکچروں میں شریک رہ چکے ہیں اور ان کی بعض تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اُردو زبان پر کافی عبور حاصل ہے۔ ملاحظہ ہوں موصوف کے خطوط بنام لارڈ اسٹینی جو انھوں نے اُردو زبان اور ادب کے متعلق لکھے ہیں اور جو مارننگ کرائیکل کے ۲۸ مارچ، ۱۲ اور ۲۵ اپریل ۱۸۹۶ء کے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔“

۲۔ ابے پارولی | اطالیہ کا رہنے والا اور شہر میزا (Pisa) کا پادری تھا اور دتاسی کے بہت ہی قدیم شاگردوں میں شمار ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے علم و فضل کی وجہ

سے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ ۱۸۶۶ء میں انتقال کیا۔ دتاسی کو اپنے اس شاگرد پر فخر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تقریر (۳ دسمبر ۱۸۶۶ء) میں اس کا اس طرح سے تذکرہ کیا ہے :-

”موسیو مول (M. Mohl) نے پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں ان علمی کارناموں کا مفصل ذکر کیا ہے جو میرے اس شاگرد (اے ہارڈی) کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ موصوف مسیحی علم دین کے جید فاضل تھے اور نہایت وسیع ہمدردی کے شخص تھے۔ آپ ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء میں میرے دروسوں میں برابر شریک رہے اور گرم جوشی سے انہماک ظاہر کرتے رہے۔ آپ کو ایشیائی علوم و ادب سے خاص شغف تھا اور آپ کی تحقیق فلسفیانہ اور سائناتی مباحث پر بھی حاوی تھی۔“

۳۔ بلاں | این ، بلاں ، فرانسیسی تھا اور ابتدا میں مشہور
(Bland) مستشرق اور ماہر اردو ڈاکٹر فربز سے فارسی اور اردو کی تحصیل کی تھی۔ لندن کا بھی سفر کیا تھا۔ آخر کار ۱۸۶۶ء میں امبورلے میں (Hambourglés Bain) میں انتقال کیا جہاں وہ عزت گزین ہو گیا تھا۔ اس کی زیارت اور

مصرفیتوں کی نسبت دتاسی نے اس کی وفات کے بعد اپنی ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء کی تقریر میں یہ الفاظ کہے تھے۔

”ابتداء میں انہوں نے ڈکن فوربز کی شاگردی کی، اور فارسی اور اردو کی تحصیل کی۔ اس کے بعد وہ میرے درسوں میں شریک رہے اور پھر کچھ دنوں کے لئے لندن چلے گئے تھے۔ ان کا بہت دنوں سے یاراء تھا کہ ادب فارسی کی ایک تاریخ لکھیں لیکن موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خیال کو عمل میں لاسکتے۔ انہوں نے فارسی شعراء کے تذکرے ”آتش کدہ“ پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میں نے انہیں سوڈا کے قلمی نسخے کے بدلے میں دیا تھا۔ اس کے علاوہ نظامی کی ”خزن الامراء“ کا ایڈیشن انہیں کی مساعی کا رہن منت ہے۔ انہوں نے ہندستان کے سب سے قدیم شاعر، مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ لکھا ہے“

بلاں نے اپنے استاد دتاسی کو کلیات سوڈا کا جو قلمی نسخہ دیا تھا وہ ۱۸۶۹ء کا مکتوبہ تھا اور دتاسی کے کتب خانہ کی فہرست میں اس کا نمبر ۲۸۱۶ ہے۔

۴۔ پاوی | موسیو، ٹومس، ایچ پاوی (M. H. Pavie)

دتاسی کا فرانسیسی شاگرد تھا اور ہندی میں ید پٹولی حاصل کیا تھا۔ اس نے کرشن جی کے حالات سے متعلق ایک ہندی نظم کو فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۵۷ء میں شایع کیا تھا۔ یہ نظم اصل میں بھاگوت گیتا کے دسویں باب کے تتبع میں لکھی گئی تھی۔ دتاسی کو اپنے اس شاگرد پر بھی فخر تھا اس کی نسبت استاد نے ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو کہا تھا:۔

”ایک اور کتاب جو ہندی نظم میں ہے اور اسی دسویں باب کے تتبع میں لکھی گئی ہے اور پریم ساگر سے بھی قدیم ہے فرانسیسی زبان سے حال میں موسیو توس پاوی نے طبع کرائی ہے (مجھے اس بات کا فخر ہے کہ موسیو موسوت میرے شاگردوں میں ہے) اس کا نام ”کرشن جی اور ان کی تعلیم“ ہے۔ اُسے یوجین بورنوف کی کتاب کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔“

۵۔ ٹامس | بکاکرن ٹامس۔ یہ بھی دتاسی کا شاگرد اور انگلستان کا باشندہ تھا۔ انگریز مستشرقین میں اس کو ایک خاص درجہ حاصل تھا مئی ۱۸۶۰ء میں وفات پائی۔ اُردو سے خاص شغف رکھتا تھا۔ اس کی نسبت دتاسی نے ۷ فروری ۱۸۶۰ء کے خطبے میں کہا تھا:۔

”اس زبان سے خاصا لگاؤ تھا۔ میرے

درسوں میں بھی شرکت کی تھی۔“

۶۔ لیپو | ڈاکٹر لیو۔ انگریز مستشرق تھا اور مشہور انگریز ماہر اُردو

ڈنکن فوربز کا فیض یافتہ - اس نے گارساں دتاسی کے درسوں سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ۱۸۶۱ء میں باغ و بہار کا ایک ایڈیشن بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کر کے شایع کرایا تھا۔ یونیورسٹی کالج لندن میں پروفیسر تھا۔ دتاسی نے اس کی شاگردی پر (۲ دسمبر ۱۸۶۱ء کو) ان الفاظ میں اظہارِ فخر کیا ہے :-

”مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ بھی میرے خطبات سن چکے ہیں“

۷۔ **ژاناں** | موسیو آندرے ژاناں - دتاسی کا سوئٹسانی شاگرد اور مشہور مستشرق تھا۔ ۵ دسمبر ۱۸۶۴ء کو اپنے اس قدیم شاگرد کے انتقال کی خبر دیتے وقت دتاسی نے اپنے نئے طلبہ کو ان الفاظ میں اس کی خدمات اور حالات سے متعارف کیا ہے :-

”آپ میرے بہت قدیم شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے لسانیات پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ برابر نو مہینے فریش رہے۔ لیکن کبھی ایک حرفت بھی اپنی تکلیف اور بیماری کے متعلق کسی دوست کے سامنے زبان سے نہیں نکالا۔ مرنے سے چند روز قبل جب آپ کو اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ تھوڑے دنوں کے دنیا میں اور مہان ہیں، آپ نے اپنی ایک نظمِ اجاب کے لئے چھپوائی جس کا عنوان

گارساں دتاسی

”قاصد کا چل چلاؤ“ تھا۔ یہ نظم وہ اپنے احباب کے لئے اپنی آخری یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ اس نظم میں اُن کی دل کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔“

دتاسی کے اس قدیم شاگرد نے ۷ اپریل ۱۹۶۷ء کو جنیوا (سوئٹزرلینڈ)

میں انتقال کیا۔

۸۔ سسے ای (E. Sice) پانڈیجری کا باشندہ جس کی مادری زبان تامل تھی یہ دتاسی کا بڑا قدیم اور چیتا شاگرد تھا اور ہندستان سے متحدہ کتابیں روانہ کی تھیں جن میں خزانہ عبادت، خلاصہ تاریخ نادر شاہ، پنچھی باچھا، اور سوال و جواب نامہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سسے ۱۹۴۷ء میں کاریکل میں جہاز کا آفسر تھا اور کرومنڈل سے مالابار تک بارہ سو میل کا سفر کر کے دتاسی کو مطلع کیا تھا کہ اس علاقہ میں ہر جگہ میں نے اُردو میں بات چیت کی۔ وہ ۱۹۶۶ء میں پانڈیجری کا مددگار کٹھن مقرر ہو گیا تھا۔ اُردو کی تحقیقات اور حمایت میں ہمیشہ اپنے استاد کا دست راست ثابت ہوا۔

۹۔ کار سین (Seton Kar) دتاسی کا قدیم شاگرد جو ۱۹۶۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی

کا دانش چانسلر تھا اور اپنے خطبہ تقسیم اسنادیں دتاسی کے خیالات کی نمایندگی کی تھی۔

۱۰۔ کارٹر ہنری کئی سال تک دتاسی کا شاگرد رہا۔ ۱۹۶۶ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا معتد اور اُردو کا بڑا حامی تھا ایک خط میں استاد کو لکھا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے جب کہ اُردو سارے ہندستان کی مشترک زبان بن جائے گی۔

دتاسی کے دوسرے مشہور شاگردوں میں آبلے برنزاں مرتب ’کامروپ‘ (A. Bentram) اور چارلس ہوشوا (Ch. d'ochua) کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔

اُردو کی اشاعت اور تائید

گارساں دتاسی صحیح معنوں میں اُردو کا پروفیسر تھا۔ اس نے اس زبان کی بھی خواہی کا ہر وہ کام کیا جو ایک مخلص پروفیسر کو کرنا چاہئے۔ نہ صرف اپنے طلبہ میں اُردو کا ذوق پیدا کیا، بلکہ ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ مختلف مقامات میں اُردو کی درسگاہیں اور اُردو کی پروفیسری قائم کی جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اُردو کا ذوق پیدا ہو۔ لندن اور انگلستان کی دوسری قدیم یونیورسٹیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ۱۸۶۱ء کے خطبے میں اس امر پر زور دیا کہ آئرلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور امریکہ میں بھی اُردو کی پروفیسری قائم ہونی ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے :-

” انگلستان کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں لندن میں اُردو زبان کی تعلیم کو ناگزیر سمجھ کر رائج کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈبلن یونیورسٹی، اسکاچستان کی یونیورسٹیوں، اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کی طرف جلد توجہ کی جائے گی۔“

اسی طرح اُس نے اس امر کی بھی تحریک کی کہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں ہندوستانیوں کو بھی اُردو پڑھانے کے لئے مقرر کرنا چاہئے تاکہ انگریز

اُردو تلفظ اور لب و لہجہ سے واقف ہو جائیں۔ اُس نے کہا۔
 بہتر ہو گا اگر کیمبرج یا اسکفورڈ میں کہیں ایک ایسا
 پروفیسر رکھا جائے جو اُردو کا صحیح تلفظ اور تحریر و تقریر
 کی مشق کراے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں (پیرس کے
 مدرسۃ السنہ میں) ایک زمانے میں دتاسی کے ساتھ
 مصری فاضل رفائل مونٹشس اہل زبان ہونے کی
 حیثیت سے عربی کا تلفظ وغیرہ سکھاتے تھے۔“ (تقریر فروری ۱۸۶۱ء)
 دتاسی نے یورپ اور خاص کر انگلستان کے ان کتب خانوں اور ان کے
 نگران کاروں کا بھی موقع بہ موقع ذکر کیا ہے جہاں اُردو کتابیں اور قلمی نسخے
 محفوظ کئے جا رہے تھے۔ وہ ہر ایسی خبر سے خوش ہوتا تھا جس کا تعلق کسی نہ
 کسی طرح اُردو سے ہوتا۔ اُردو کتابوں کی اشاعت اور اجاروں کے اجرا
 کی جو اطلاع اُسے ہندستان سے ملتی اسی کی خوشی میں اضافہ کے باعث بنتی رہتی تھی۔
 میں جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ہر اس انگریز کے لئے اُردو پڑھنا لازمی کر دیا
 گیا ہے جو فوجی ملازمت کے لئے ہندستان جانا چاہتا ہے تو دتاسی کو بے حد مسرور
 ہوئی۔ چنانچہ اس نے اپنے ۷ فروری ۱۸۶۱ء کے خطبے میں بڑی خوشی سے
 اس کا اعلان کیا کہ :-

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آئندہ سے ان انگریزوں
 کے لئے جو ہندستانی افواج میں نوکری کرنا چاہتے ہیں
 یہ لازمی قرار پایا ہے کہ اُردو کے تین اقتباسات جن سے

پہلے سے وہ واقف نہیں، انگریزی زبان میں ترجمہ کریں
اس کے ساتھ ہی انھیں نظم و نسق کے متعلق کسی عبادت
کا اُردو سے انگریزی اور انگریزی سے اُردو اور ہندی
میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندوستان
آدمی بھی اس کی عبارت کا مفہوم سمجھ سکے۔ اس امتحان
میں کسی ایک انگریزی خط کا اُردو میں فی البدیہہ مطلب
بھی دریافت کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی امتحان ہندوستانیوں
کے ساتھ اُردو زبان میں گفتگو کرائی جاتی ہے۔“

اسی طرح ۱۸۶۱ء میں جب دتاسی کو معلوم ہوا کہ ہندوستان میں جگہ جگہ
مقامی عدالتیں قائم کی جا رہی ہیں تو اس نے انگریزوں کو توجہ دلائی کہ وہ
قانون پڑھ کر ہندوستان جائیں اور وکالت و بیرسٹری کے ذریعہ سے قسمت آزمائی
کریں۔ لیکن اس ترغیب میں بھی اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگ اُردو لکھنا
پڑھنا سیکھیں چنانچہ ساتھ ہی بڑی خوبی کے ساتھ اس کی بھی تبلیغ کر دی۔ وہ
کہتا ہے:-

”ہندوستان میں آج کل مقامی عدالتیں ہر جگہ قائم ہو رہی
ہیں۔ ان نوجوان انگریزوں کے لئے جن کی اپنے وطن
میں قدر نہیں یہ موقع ہے کہ وہ اس وقت ہندوستان
میں اپنی قسمت آزمائیں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ وہ
ہندوستان جانے کا ارادہ کریں یہ از بس ضروری ہے“

کہ وہ ویسی لوگوں کی زبان کو مطالعہ کے ذریعے سیکھ لیں
انہیں ہندستانی لوگوں کے ان محاوروں کو جاننا چاہیئے
جو ہر وقت گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں۔“

۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء کو جب انڈین میل میں سید عبداللہ پروفیسر اردو لندن
یونیورسٹی، نے سر اسٹافورڈ نارٹھ کوٹ (Sir Stafford Northcote) کے نام ایک خط شایع کیا کہ ”آئندہ سے حکومت ہند سول سروس کے مقابلہ کے
امتحان میں ہندستان کی بعض سروجہ اور زندہ زبانوں کو لازمی قرار دے“
تو گارساں دتاسی نے اس کی پُر زور تائید کی اور سنسکرت اور عربی کے مقابلہ
میں اُردو جاننے کے جو علی فوائد ہیں ان کو واضح کیا۔ اُس نے اپنی ۷ مئی ۱۸۶۸ء
کی تقریر میں کہا کہ ”میں سید عبداللہ کے اس خط کے مضمون کے ساتھ بالکل متفق
ہوں“ اور اس کے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی یوں تائید کرتا ہوں کہ:-

”سید عبداللہ نے اپنے اس خط میں یہ خیال ظاہر کیا ہے
کہ سول سروس کے ہر امیدوار کے لئے یہ لازمی قرار دینا
چاہئے کہ وہ ملکی زبان میں پوری دسترس حاصل کرے۔
شکستہ تحریر بآسانی پڑھ سکے۔ اور اس زبان سے انگریزی
میں اور انگریزی سے اس زبان میں بخوبی ترجمہ کر سکے۔
در اصل یہ تمام باتیں نہایت ضروری ہیں۔ چنانچہ نظر آئے
ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلی بری کانٹا کے طلبہ کے لئے
انہیں لازمی قسدا دیا تھا۔“

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اس قسم کے مباحث کے فوائد اور حکومت کو متوجہ کرتے رہنے کی ضرورت، جس طریقہ سے ظاہر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گارساں دتاسی اُردو کے حقوق کی حفاظت اور اس کی تائید کے لئے کس شدت کے ساتھ کمر بستہ رہتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ:-

”حکومت کو اس جانب توجہ دلاتے رہنا مفید ہے.....
اس واسطے کہ ہندوستانی ہی ملک کی مشترک زبان ہے
اور عیسائی کہیں بارہا پہلے بتا چکا ہوں اہل ہند کا ایک بڑا
اور اہم طبقہ اس کے ذریعے اظہار خیال کرتا ہے۔ اور
ملک کے طول و عرض میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے
ہوتے ہیں۔ ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو
جو حکومت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس زبان کا
سیکھنا از بس ضروری ہے۔“

گارساں دتاسی اُردو اور ہندی دونوں کا یکساں ماہر تھا۔ اُس نے
ابتداء ہی سے دونوں زبانوں سے متعلق کتابیں لکھیں۔ لیکن ان دونوں میں
وہ اُردو کو ترجیح دیتا تھا اور انگریزوں کے اس رجحان کی مخالفت کرتا تھا جو
ہندی کو اُردو کے مقابلے میں لا کھڑا کرتے کے لئے روز بروز شدت پکڑتا
جا رہا تھا۔ اُس نے اپنی اکثر تقریروں میں اس رجحان کی مذمت کی۔ تقریباً
پچاس سال کے تجربہ اور اُردو اور ہندی دونوں کی تعلیم و تعلم نے اس کو
اپنے ایمان میں پختہ بنا دیا تھا۔

چنانچہ وہ کسی مسئلہ میں اس شدت اور آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرتا تھا جتنا کہ اُردو کی تائید کے لئے کرتا۔ اس کی آخری تقریروں سے ایک (۲ دسمبر ۱۸۶۷ء) میں اس نے اُردو، ہندی جھگڑے کے ذکر میں علی الاعلان کہا کہ :-

”اُردو نے ہندستان میں جو حیثیت قائم کر لی ہے وہ باقی رہے گی۔ وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں تو اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانے میں صدیوں سے جو الفاظ عام زبان پر چڑھ گئے ہیں وہ آسانی سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔ ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلا وہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم ان فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کر دے جو انگریزی زبان میں نارسن فتوحات کے بعد گھل مل گئے ہیں۔“

اس بحث پر بطور نوٹ کے گارساں دتاسی لکھتا ہے کہ ”بڑی ۱۸۶۷ء کے کلکتہ ریویو میں میری ناچیز رائے سے موافقت کا اظہار کیا گیا ہے جو میں نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اس جلسہ کے متعلق ظاہر کی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ آیا اُردو کو زیادہ اہمیت حاصل ہے یا ہندی کو اس ریویو نے لکھا ہے کہ :-

”موسیو گارساں دتاسی نے اردو کی حمایت میں
جو اظہار خیال کیا ہے وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے“
۴ جولائی ۱۸۶۷ء کے ”بئی پولا“ میں میرے خیالات کو منظرِ استحسان
دیکھا گیا ہے۔ اس مذکورہ بالا تقریر کے سلسلہ میں گارساں دتاسی نے کہا:-
”میں اور مسٹر سمیز (M. Beams) اردو کی حمایت
میں تنہا نہیں ہیں ہم نہ اس کے قائل ہیں
کہ عربی، فارسی الفاظ اردو میں سے خارج کر دئے
جائیں اور نہ ہم ہندی کو بے وجہ اردو پر فوقیت
دینا مناسب سمجھتے ہیں“

اس تقریر سے دو سال قبل ۴ دسمبر ۱۸۶۵ء کا افتتاحی خطبہ شروع
کرتے ہی اس نے اردو ہندی جھگڑے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ:-
بہرِ پنج لوگوں کا خیال ہندستانی کی نسبت چاہے
کچھ بھی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ
سارے ہندستان کی مشترک زبان بن گئی ہے۔
روز بروز اس کی جو قوتی ہو رہی ہے اس کی وجہ
وہ پورے دیس کی زبان کہی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ
کی نسبت کپتان ایچ مور (H. Moore) نے اپنی
راے سے مجھے مطلع کیا ہے۔ موصوف مرکزی حکومت
میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ

گارساں دتاسی

چنانچہ وہ کسی مسئلہ میں اس شدت اور آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرتا تھا جتنا کہ اُردو کی تائید کے لئے کرتا۔ اس کی آخری تقریروں سے ایک (۲ دسمبر ۱۸۶۶ء) میں اس نے اُردو، ہندی جھگڑے کے ذکر میں علی الاعلان کہا کہ :-

”اُردو نے ہندستان میں جو حیثیت قائم کر لی ہے وہ باقی رہے گی۔ وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں تو اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانے میں صدیوں سے جو الفاظ عام زبان پر چڑھ گئے ہیں وہ آسانی سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔ ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلا و یہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم ان فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کر دے جو انگریزی زبان میں نارسن فتوحات کے بعد گھل مل گئے ہیں۔“

اس بحث پر بطور نوٹ کے گارساں دتاسی لکھتا ہے کہ ”بہشتی ۱۸۶۶ء کے کلکتہ ریویو میں میری ناچیز رائے سے موافقت کا اظہار کیا گیا ہے جو میں نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اس جلسہ کے متعلق ظاہر کی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ آیا اُردو کو زیادہ اہمیت حاصل ہے یا ہندی کو اس ریویو نے لکھا ہے کہ :-

”موسیو گارساں دتاسی نے اُردو کی حمایت میں
جو اظہار خیال کیا ہے وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔“
۴ جولائی ۱۸۶۷ء کے ”بہنی پولا“ میں میرے خیالات کو منظرِ آسمان
دیکھا گیا ہے۔“ اس مذکورہ بالا تقریر کے سلسلہ میں گارساں دتاسی نے کہا ہے۔
”میں اور سٹریٹیز (M. Beaumont) اُردو کی حمایت
میں تنہا نہیں ہیں ہم نہ اس کے قائل ہیں
کہ عربی، فارسی الفاظ اُردو میں سے خارج کر دئے
جائیں اور نہ ہم ہندی کو بے وجہ اُردو پر فوقیت
دینا مناسب سمجھتے ہیں۔“

اس تقریر سے دو سال قبل ۴ دسمبر ۱۸۶۵ء کا افتتاحی خطبہ شروع
کرتے ہی اس نے اُردو ہندی جھگڑے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ:-
بہرِ پنج لوگوں کا خیال ہندوستانی کی نسبت چاہے
کچھ بھی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ
سارے ہندوستان کی مشترک زبان بن گئی ہے۔
روز بروز اس کی جو ترقی ہو رہی ہے اس کی وجہ سے
وہ پورے دیس کی زبان کہی جاسکتی ہے۔ اس مسئلہ
کی نسبت کپتان ایچ مور (H. Moore) نے اپنی
راے سے مجھے مطلع کیا ہے۔ موصوف مرکزی حکومت
میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ

یہ ہیں :-

اس زبان کے توسط سے لاکھوں اہل شرق
تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ ریل کی وجہ سے جو اندرون
ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے اور
بھی ہندستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو ملنے جلنے
کا موقع ملا ہے۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک
مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔
ہندستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی
ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساخت میں ہندی، فارسی
اور عربی کے عنصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بدربہتم
یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں
دونوں کے مفہام کو پورا کرے۔

غرض کہ تان مور کے خیالات بیان کرنے کے بعد دتاسی نے اس بحث
کی وضاحت کی ہے اور آخر میں پھر اسی موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
جس کو وہ اپنا چہیتا موضوع کہتا ہے۔

”میں اپنے چہیتے موضوع کی طرف رجوع کرتا
ہوں۔ یعنی اردو کی ہندستان میں اہمیت“

س سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اردو کا کتنا دلدادہ تھا۔

دتاسی نے آج سے ستر سال قبل ہندستان کے اردو و ہندی جھگڑے کی

نسبت، جو صحیح اندازہ قائم کیا تھا وہ آج کل کے بڑے بڑے حامیان اُردو کے لئے سبق آموز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض اصحاب نے اس جھگڑے کی علمبرداری کر کے جو شہرت اور اہل اُردو کی جو ہردیاں چل کی ہیں وہ گارساں دتاسی ہی کی ان تحریروں کے مطالعے اور اس کے دلائل کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ عہدِ حاضر کا اُردو کا بڑے سے بڑا سیاسی دہتر بھی دتاسی ہی کا خوشہ چیں ہے۔ وہ اُردو کی تائید میں ایسی دلائل، ثقہ اور وزنی تحریریں لکھ گیا ہے جو ہمیشہ اُردو کی تائید اور مدافعت کرنے والوں کا مضبوط حربہ ثابت ہوں گی۔ اس نے اپنے ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء کے خطبہ میں کہا تھا۔

”یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح آج کل یورپ میں ایک تحریک اٹھی ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ پھر سے ازمنہ وسطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان زبانوں کو زندہ کیا جائے جو اب بولیاں ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی ازمنہ وسطیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں بھی ازمنہ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ اس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے جو ہر گاؤں میں الگ الگ طریقے سے بولی جاتی ہے چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے کہ اُردو کی بجائے ہندکو

فروغ دیا جائے۔ حالانکہ اُردو بہ نسبت
ہندی کے زیادہ شہسختہ ہے۔
لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندستان کی زبان
ہے اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے۔ ان کو
یہ نہیں سوچتا کہ اُردو زبان میں فارسی اور عربی کی
ساری خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں (فارسی
و عربی) اسلامی مشرق کی قابل احترام السنہ ہیں اور
دنیا کے تمام علماء و فضلا ان دونوں کو ہمیشہ سے
اسی نظر سے دیکھتے آئے ہیں۔“

اس کے بعد دتاسی نے اہل اُردو اور اہل ہندی کے دلائل کا ایک
دوسرے سے مقابلہ کیا ہے اور آخر میں برطانوی حکومت کی حمایت ہندی کی
اس طرح تشریح کرتا ہے :-

”برطانوی حکومت اس تحریک کے موافق معلوم ہوتی ہے
حکومت کا خیال ہے کہ ہندی کی موافقت سے ہندو
لوگ خوش ہو جائیں گے اور چونکہ ہندستان کی آبادی
کی کثرت انہی پر مشتمل ہے اس لئے ہندی کی تائید
ملکی مصالح پر مبنی ہے۔“

ہندی کی تائید میں انگریزی اخبارات میں جو ادارے اور مقالے شائع
ہوتے تھے ان کا ذکر کر کے دتاسی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہتا ہے کہ:-

میرے خیال میں اس مقالہ میں ہندی کی تائید میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اور جو دھوکے پیش کئے گئے ہیں ان پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن اس جگہ میں اُسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ اس مقالے میں اُردو کے متعلق کم از کم یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ اس ہندستان میں وہی حیثیت حاصل کر لی ہے جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے۔ عدالتوں اور شہروں میں اُردو بولی جاتی ہے۔ مصنفین اپنی کتابیں اسی زبان میں تصنیف کرتے ہیں اور اسی کی غزلیں گائی جاتی ہیں۔ اُردو کے ذریعے اہل ہند یورپین لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ غرض کہ اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے تو اُردو کو ہندی پر فضیلت حاصل دھتی ہے جسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

غرض اسی طرح اُردو کی موافقت میں دتاسی نے طویل بحثیں کی ہیں جو اس خطبے کے کئی صفحات پر مشتمل ہیں اور دوسری تقریروں میں بھی جگہ جگہ اس قسم کی بحثیں اور ویلیں نظر سے گزرتی ہیں۔ چونکہ اُس کے خطبات کے اُردو تراجم شائع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں مزید مثالوں کی ضرورت نہیں۔

یورپ کی اُردو درس گاہیں

دتاسی کو اُردو سے جو غیر معمولی شغف تھا اس کا ایک ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ وہ یورپ کی ان تمام درس گاہوں کے معاملات میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا جہاں اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ وہ ان کے نصاب، طریقہ تعلیم، اساتذہ اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے ہمیشہ باخبر رہتا اور ہر سال اپنی انستیتی تقریر میں ان کی نسبت اپنے طلبہ کو معلومات فراہم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔ گذشتہ عنوان کے تحت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ یورپ اور خاص کر انگلستان کی اکثر جامعات میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہونے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ایسی خبر کا خیر مقدم کرتا تھا۔

ادھر ۱۸۸۷ء میں جب انگلستان کی قدیم جامعہ کمبرج میں اُردو کی پروفیسری قائم کی گئی تو وہ بے حد خوش ہوا اور ادائیگی کے سلسلہ میں اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ:-

”کمبرج میں بھی اس (اُردو) کی پروفیسری قائم کر دی

گئی ہے اور اس کے لئے گزشتہ ۲۸ نومبر کو

میجر اسٹیفن نام زد کئے گئے۔“

اسی زمانے میں وولچ (Woolwich) کی شاہی فوجی اکیڈمی

میں اُردو کا پروفیسر مقرر کرنے کی تجویز درپیش تھی جس کا ذکر دتاسی نے ان

الفاظ میں کیا ہے :-

”دو لچ کی شاہی فوجی اکیڈمی میں اُردو کا پروفیسر مقرر کرنے نیز اڈسکومب کمپنی کے انڈیا کالج کو اس کے ساتھ ملحق کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔“

۱۸۶۱ء سے قبل جب اڈسکومب (Addiscombe) اور اس سے پیشتر ہی ہیلیسبری (Hailebury) کی درسگاہیں بند کر دی گئیں تو دتاسی اس واقعہ سے متاثر ہوا۔ کیونکہ ان درسگاہوں میں اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ تاہم وہ اس خیال سے مطمئن تھا کہ کم از کم دو لچ (Woolwich) کی درس گاہ تو باقی ہے جس میں اُردو کی تعلیم پانے کے خواہشمند شریک ہو سکیں گے۔ اس واقعہ کا ذکر دتاسی نے اپنی تقریر مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء میں اس طرح کیا ہے :-

ہیلیسبری اور اڈسکومب کی درس گاہوں کے بند ہونے سے میری دانست میں ہندوستانی زبان کے شوق مطالعہ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ میں جس زمانے میں اپنے درس پیرس میں شروع کرتا ہوں، اُسی زمانے میں دو لچ کی فوجی اکیڈمی کے طلبہ بھی اپنا اُردو کا درس شروع کرتے کرتے ہیں۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسے کے طلبہ دو لچ کے مدرسے میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کی تعلیم دوسرے طلبہ سے مختلف ہے۔ چونکہ بعد میں اُن کا ارادہ ہندستان میں فوجی خدمات پر جانے کا ہوتا ہے

اس لئے خاص طور پر ان کے لئے علیحدہ استاد مقرر کئے جاتے ہیں جو انہیں اردو اور دوسری شرقی زبانیں سکھاتے ہیں جن کی انہیں آئندہ زندگی میں ضرورت پڑے گی۔“

ہیلییری کے کالج کے بند ہو جانے کے بعد دو لڑکے کی فوجی اکیڈمی میں اردو کی تعلیم سہوتی تھی۔ لیکن یہ کافی نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے ۱۸۶۲ء میں گلنگز کالج لندن (Kings College) میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر دتاسی نے بڑی طمانیت کے ساتھ کیا ہے اور توقع ظاہر کی ہے کہ جیسے ہی ہیلییری کالج کے فیض یافتوں نے بڑا نام پیدا کیا اسی طرح گلنگز کالج کے اردو تعلیم یافتہ بھی شہرت اور نیک نامی حاصل کریں گے۔ وہ یکم دسمبر ۱۸۶۲ء کی تقریر میں کہتا ہے کہ :-

”اب لندن کے گلنگز کالج میں شرقی علوم کا ایک علیحدہ شعبہ قائم ہوا ہے۔ ہیلییری کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متحدہ اشخاص نے ملکی نظم و نسق اور علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ امید ہے کہ وہی روایا اب بھی قائم رہیں گی۔“

۱۸۶۱ء کے اوائل میں دتاسی نے جو خطبہ دیا تھا اس میں ڈبلن یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ لیکن اس اثنا میں اسے معلوم ہوا کہ وہاں ۱۸۵۶ء سے اردو کی تعلیم شروع ہو گئی ہے تو اس نے یکم دسمبر ۱۸۶۲ء

کی تقریر میں کہا تھا ۱۔

میں اپنے پچھلے خطیبوں میں ذکر کر چکا ہوں کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں بھی اُردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے ۱۸۵۶ء میں ڈبلن یونیورسٹی میں بھی اُردو، فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ لندن کے یونیورسٹی کالج کی طرح ڈبلن میں بھی ایک ہندوستانی عالم مولوی ادا داد علی ان زبانوں کی تعلیم دینے مقرر کئے گئے ہیں۔

اس تقریر سے ایک سال قبل دتاسی نے اپنے شاگردوں کو بڑی مسرت سے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ ”خود انگلستان میں اُردو زبان کا چرچا روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اس لئے کہ اس زبان کی اہمیت کا لوگوں کو احساس ہوتا جاتا ہے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اُردو کی مسند قائم ہو گئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جائے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آکسفورڈ میں صرف معمولی تعلیم ہی نہیں بلکہ اُردو کی نسبت اعلیٰ علمی تحقیقات کا بھی انتظام اتنے قدیم زمانے میں یعنی آج سے اسی سال قبل کیا گیا تھا۔

دتاسی کی ایک تقریر مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء سے ایک اور اُردو درس گاہ کا پتہ چلتا ہے۔ جو حقیقت میں تھی اور جس کا تعلق وہاں کے انڈین ڈپو سے تھا۔ ہیلیبری کے ایسٹ انڈیا کالج کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے یہ درس گاہ ۱۴ دسمبر ۱۸۵۸ء کو قطعی طور پر مسدود کر دی گئی تھی۔ ”یہ کالج پچاس سال سے

قائم تھا اور اس میں سے ۳۰۵۵ تلامذہ فارغ ہو کر نکلے جن میں ایسے افراد بھی ہیں جن کی شہرت یورپ بھر میں ہے، دتاسی کو اس کی مسودہ کی صدمہ ہوا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس کا خیال تھا اس کالج کی مسودہ کی مشرقی علوم کی تحصیل میں کمی واقع ہوئی اور انگریزوں نے بھی اس کو محسوس کیا۔ دتاسی نے اس واقعہ کو ۵ مئی ۱۹۵۸ء کی تقریر میں اس طرح ظاہر کیا ہے:-

”ہیلبرہی کالج کی مسودہ کی جو نقصان مشرقی علوم کی تحصیل میں واقع ہوا ہے اب اُسے محسوس کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ انڈیا کونسل، جدید کالج اُن فوجیوں کے لئے قائم کرے گی جو انڈین سول سروس کے لئے نامزد کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس نے ایڈمکٹو کارائل ملٹری کالج فوجی خدمات کے لئے ایسے تغیرات کے ساتھ برقرار رکھا ہے جو دورانِ تعلیم میں ہندوستانی کو عام زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے میں معاون ہوں۔“

اسی سلسلہ میں دتاسی نے انگلستان کے ایک اور کالج کا ذکر کیا ہے جہاں ۱۹۵۸ء سے اردو زبان کی تعلیم کا عام انتظام کیا جانے والا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ:-

”سینڈھرسٹ (Sandhurst) کے رائل ملٹری کالج میں بھی ہندوستانی زبان پڑھائی جائے گی

اور ۱۸۶۷ء میں اس کا دروازہ بلا امتیازِ خواہشمند

کے لئے کھول دیا جائے گا۔

۱۸۵۷ء

دتاسی کی تقریر سے ایک اور درس گاہ کا بھی پتہ چلتا ہے جہاں عذر سے قبل ساہا سال تک اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ چلٹھم کالج تھا جہاں کپتان اوٹم گورڈن کئی سال تک اُردو پڑھانے کے بعد مئی ۱۸۵۷ء میں انتقال کر گیا۔

غرض دتاسی نے متعدد ایسی درس گاہوں کی نسبت ہمارے لئے قیمتی معلومات فراہم کر دی ہیں جہاں آج سے تقریباً سو سال قبل اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان سب میں دس درس گاہیں بہت اہم تھیں۔ جن کے نام حروفِ ہجا کی ترتیب کے لحاظ سے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

- ۱۔ اڈسکومب رائٹ ملٹری کالج ۲۔ آکسفورڈ یونیورسٹی
- ۳۔ چلٹن، ایم کالج ۴۔ چٹھم انڈین ڈپو
- ۵۔ ڈبلن یونیورسٹی ۶۔ سینڈھرسٹ رائٹ ملٹری کالج
- ۷۔ کیمربرج یونیورسٹی ۸۔ لنڈن یونیورسٹی

(رنگلز کالج۔ یونیورسٹی کالج)

۹۔ دوپچ رائٹ ملٹری اکیڈمی ۱۰۔ بیلیبری ایٹ انڈیا کالج

ان سب درس گاہوں کی نسبت گزشتہ صفحات میں اجمالی معلومات درج کر دی گئی ہیں۔

دتاسی کے زمانہ کے دوسرے اردو پروفیسر

دتاسی کے زمانہ کی یورپ کی اردو درس گاہوں کے تذکرہ کے بعد ضروری ہے کہ اس کے معاصر اردو کے پروفیسروں کا بھی کچھ حال لکھا جائے۔ دتاسی اردو کا عاشق تھا لیکن ایسا عاشق نہیں کہ اس کے دوسرے چاہنے والوں کو اپنا رقیب سمجھ کر اُن سے رشک یا حسد کرنے لگے۔ بلکہ اُس کے نزدیک ہر اُس شخص کی اہمیت تھی جس کو اردو سے کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ان تمام اصحاب سے تعلقات اور مراسم پیدا کئے جو اردو سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر اردو کے خیر خواہوں اور عالموں سے اس کی مراسلت اور غائبانہ دوستی تھی اور یورپ میں بھی جہاں اردو اصحاب موجود تھے وہ اُن سے واقف تھا۔ لیکن یہاں ہم صرف ان اصحاب میں سے چند کے فعل حالات درج کرتے ہیں جو دتاسی کے زمانہ میں یورپ کی مختلف درس گاہوں میں اردو کی تعلیم پر مامور رہے اور جن میں سے اکثر اُن سے دتاسی کے ذاتی مراسم تھے۔

جن اساتذہ اردو کے حالات آئندہ صفحات میں درج ہیں اُن کے نام بلحاظ ترتیب حروف یہ ہیں :-

- ۱۔ اسٹیفن ۲۔ آلمان ۳۔ اولاد علی ۴۔ باؤٹس

- ۵۔ بیلن ٹاٹن ۶۔ چیمبرس ۷۔ روجرس ۸۔ رولینڈ سٹن
۹۔ سید احمد ۱۰۔ سید عبداللہ ۱۱۔ شیکسپیر ۱۲۔ گورڈن
۱۳۔ ماتھر ۱۴۔ ٹاٹن ۱۵۔ مال

۱۔ اسٹیفن - میجر جے۔ جی۔ اسٹیفن (J.G. Stephen) جب
اواخر ۱۸۶۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسری قائم کی گئی تو اس جگہ
کے لئے کئی اصحاب نے کوششیں کیں جن میں گارساں دتاسی کے شاگرد
میجر ایم، ایس، اسٹیل، سید احمد (جو اس وقت لندن کے یونیورسٹی کالج
میں اردو کے پروفیسر تھے) اور جے۔ جی اسٹیفن قابل ذکر ہیں۔ لیکن اول الذکر
دونوں ناکام رہے اور ۲۸ نومبر ۱۸۶۰ء کو اسٹیفن کا تقرر کیا گیا۔
۲۔ اُلمان - جے۔ ایف (Rev. J.F. Allman) پادری اور مشرق
تھے۔ شمالی پریسبیرین امریکی مشن سے تعلق تھا۔ اٹادہ میں عرصہ تک قیام کیا ۱۸۶۵ء
ہندوستانی دعاؤں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا۔ یہ دعائیں بعض اردو ہی
میں لکھی گئی تھیں اور بعض انگریزی اور جرمن دعاؤں کا ترجمہ تھیں۔ ۱۸۶۶ء میں جب
لندن کے یونیورسٹی کالج کی اردو پروفیسری سے سید عبداللہ مستعفی ہو گئے تو
اُن کی جگہ اُلمان کا تقرر کیا گیا۔ یہ ہندی کے بھی ماہر تھے اور اسی وجہ سے ان کا
انتخاب کیا گیا کیونکہ اس وقت انگریزوں نے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کی ترقی
اور اہمیت پر بھی زور دینا شروع کر دیا تھا۔ اُلمان نے انجیل مقدس کا ہندی میں
ترجمہ بھی کیا تھا۔

۳۔ اولاد علی۔ مولوی میر۔ اُردو، فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر ڈبلن یونیورسٹی میں ۱۸۵۶ء میں اُردو کے پروفیسر مقرر کئے گئے اور دس بارہ سال تک یہ خدمت انجام دی۔ چنانچہ ۱۸۶۹ء میں بھی وہی اس خدمت پر مامور تھے اور جس زمانہ میں سرسید احمد خان نے یورپ کا سفر کیا تھا اولاد علی ہندستان آئے تھے تاکہ بقول دتاسی "لوگوں کو تمدن جدید کی برکات سے آگاہ کریں اور اخباری کا شوق پیدا کرائیں"۔
میر اولاد علی شاعر بھی تھے۔ میر تخلص تھا۔ دتاسی نے ۱۸۶۴ء کے خطبہ میں ان کی غزلوں کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ یاؤلس۔ مسٹر۔ رچرڈ ہاٹن اور سر گریوس ہاٹن کے ہمیشہ زادے تھے اور رچرڈ ہاٹن کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوفہ اڈسکوٹ میں ۱۸۳۲ء کے بعد اُردو کی پروفیسری کی خدمت پر فائز ہوئے تھے۔ ان کے مستعفی ہو جانے پر کرنل روکنیڈسن ان کے جانشین ہوئے تھے۔ دتاسی نے ۱۸۵۹ء کی تقریر میں ان کی پروفیسری کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ بیلین ٹائٹن۔ ڈاکٹر جیمز آر بیلین ٹائٹن۔ جیمز میکیل بیلین ٹائٹن کے بھتیجے اور اُردو، ہندی اور سنسکرت کے بہت بڑے فاضل تھے۔ ہندی اور دہاشا کی صورت و نحو پر ایک کتاب لکھی تھی جو ایلی منٹس آف

ہندی اینڈ بھاکا گرامر (Elements of Hindi & Bhaka Grammar) کے نام سے شائع ہوئی۔ دوسری کتاب اردو صورت و نحو Hindustani Grammar And Exercises.

پر لکھی گئی تھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ ۱۸۶۲ء تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ نیز ۱- منتخبات ہندوستانی اور ۲- شکستہ و منہی سنتعلیق خط میں مطبوعہ خطوط - اور انگریزی سے ہندوستانی اور فارسی میں ترجمہ کو حصہ کے طریقے اور مثالیں (پبلیکل اورنٹل انٹریٹریٹر) - بیلن ٹائن کی یہ تین کتابیں بھی اردو سکھانے کے لئے اس زمانہ میں بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ بیلن ٹائن کے مشورے سے صوبہ شمال مغربی کی حکومت نے سنسکرت کتابوں کے ہندی ترجمے چھپوائے تھے جن میں سے ایک کتاب ہتھوپدیش مترجمہ پنڈت بدری لال دتاسی کے یہاں بھی تھی۔

ڈاکٹر بیلن ٹائن بہت نوجوان تھے جب ایڈنبرا کی فوجی و بحری اکیڈمی میں اردو زبان کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد کئی سال تک انھوں نے ہندوستان میں بنارس کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا اس کے بعد گنگز کالج لندن میں سنسکرت کے پروفیسر، پھر ایسٹ انڈیا ہاؤس لندن کے کتب خانہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ آخر زمانہ میں وہ سنسکرت کی تحقیقات کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اور موت سے قبل پانینی کی صرف و نحو کی شرح ”سمہا جہاشیا“ کی اشاعت میں مشغول تھے جس کو وہ چار جلدوں میں شائع کرنا چاہتے تھے لیکن صرف ایک ہی شائع کر سکے جو لمبی تقطیع کے ۸۵۰ صفحات پر مشتمل تھی اور جس کی طباعت کے اخراجات حکومت ہند کی جانب سے دئے گئے۔

ڈاکٹر بیلن ٹائن نے ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء کو وفات پائی اور دتاسی نے

اسی سال کے خطبے میں ان کی خدمات پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ۱۸۶۱ء کے خطبے میں اس نے لکھا تھا کہ ”علوم سنسکرت میں موصوف کی معلومات اپنے پیش روں و دکشن اور ولسن سے کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔“

۶۔ چیمبرس (J. Chambers) - جب ۱۸۶۱ء میں اُردو کی پروفیسری انگلستان کی مشہور جامعہ اکسفورڈ میں قائم ہوئی تو اس پر چیمبرس ہی کا تقرر کیا گیا تھا اور ۷ فروری ۱۸۶۱ء کو جب گارساں دتاسی نے اپنا افتتاحی خطبہ سنایا تو اس وقت یہ اُردو کے پروفیسر تھے۔ دتاسی نے ان کی نسبت اس تقریر میں کہا تھا:-

”اکسفورڈ میں اُردو کی مسند قائم ہو گئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جائے۔ چنانچہ جے۔ چیمبرس اس جگہ پر آج کل رونق افروز ہیں۔“

۷۔ روجرس۔ ای، ایچ (E.H. Rogers) - اُردو کے عالم تھے اور ایک کتاب ”اُردو کیونکر بولیں (How to Speak Hindoustani) ۱۸۶۱ء میں لکھی تھی۔ جس کی نسبت دتاسی کی رائے تھی کہ ”یہ کتاب نہ صرف فوجی لوگوں کے لئے بے حد مفید ہے جن کے لئے خاص طور پر یہ تصنیف کی گئی ہے بلکہ ان انگریز بیرسٹروں کے لئے بھی نہایت کارآمد ہے جن کا ارادہ ہندستان میں وکالت کرنے کا ہے۔“

روجر پہلے لارنس اسلیم (Lawrence Asylum) کے ناظم

تھے اور ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء میں جنتیم کے انڈین ڈپو میں اُردو کے پروفیسر کی خدمت انجام دے رہے تھے چنانچہ دتاسی نے ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء کی تقریر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۸۔ رولینڈ سن۔ کرٹل (Col. Rowlandson)۔ سٹرابولس (دیکھو نمبر ۳۱) کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوفہ اڈسکو میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۸۵۹ء میں بھی اسی خدمت پر فائز تھے چنانچہ اس سال ۵ مئی کو دتاسی نے جو افتاحی خطبہ پڑھا تھا اس میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

۹۔ سید احمد۔ ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء میں لندن یونیورسٹی کالج میں ایف ٹال کوز کی جگہ اُردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے تھے (۱۸۵۹ء) جب ۱۸۵۹ء میں کیمبرج میں اُردو کی پروفیسری قائم ہوئی تو وہاں بھی اپنے تقرر کے لئے کوشش کی تھی لیکن ناکامی ہوئی اور میجر اسٹیفن کا تقرر کر دیا گیا۔ دتاسی نے ۷ فروری ۱۸۶۱ء کی تقریر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ سید عبداللہ میر سید محمد خاں بہادر لکھنوی کے فرزند تھے جو ۱۸۶۰ء میں دکن میں نائب مجسٹریٹ اور کلکٹر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی بڑی مدد کی جس کی وجہ سے خطاب اور نیشن حاصل کی تھی۔ سید عبداللہ کو ۱۸۶۱ء میں جبل پور کالج میں شریک کر کے انگریزی تعلیم دلائی۔ ۳۰ نومبر ۱۸۶۱ء میں انتقال کیا۔ ان کے فرزند سید عبداللہ لندن یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر تھے غالباً سید احمد کے بعد ان ہی کا تقرر کیا گیا تھا۔ وہ کئی سال تک اور خاص کر ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیانی زمانہ میں اس منصب پر فائز رہے۔ آخر کار

۱۸۶۶ء میں مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ یونیورسٹی کالج لندن میں ریورنڈ آلمان اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سید عبداللہ ایک اچھے اور بافیض استاد تھے اور اپنے قلمذہ میں اُردو زبان کا صحیح ذوق پیدا کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ایک شاگرد ایڈورڈ مہتری پامصرف ۲۴ سال کی عمر میں اُردو کے اچھے ماہر ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس زبان میں مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ ”اودھ اخبار“ (مرتبہ شیوپرشاد) کی ۲۱ مئی ۱۸۶۷ء کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون ”شفیلڈ کی طغیانی“ کے متعلق چھپا تھا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے گارساں دتاسی نے ہرڈسمبر کی تقریر میں کہا کہ:-

”آپ نے چوبیس سال کی عمر میں ہندوستانی زبان میں ایسی مہارت حاصل کر لی ہے کہ باید و شاید۔ یہ سید عبداللہ پروفیسر ہندوستانی لندن یونیورسٹی کے فیض صحبت کا اثر ہے۔“

پروفیسر عبداللہ نے پامر کو اُردو بول چال اور لب و لہجہ سے بھی اتنا واقف کرا دیا تھا کہ گارساں دتاسی کا خیال ہے کہ ”اگر اُن کا رنگ اس قدر گرا نہ ہوتا اور انگریزوں کا سامان نہ ہوتا تو انھیں ہندوستانی مسلمان کہنے میں کوئی شخص مطلق تامل نہ کرتا۔“

دتاسی کے علاوہ آگرہ کے ایک فاضل مردان علی خاں اور اخبار عالم پٹر کے ایڈیٹر محمد دجاہت علی، اور ڈبلن یونیورسٹی کے اُردو پروفیسر میرادلاد علی نے بھی پروفیسر سید عبداللہ کے اس شاگرد کی بڑی تعریف کی ہے۔ اقل الذکر

نے تو مارچ ۱۸۶۸ء کے اودھ اخبار میں یہاں تک لکھ دیا کہ:-
 ”میں نے کسی یورپین کو آج تک ہندستانی زبان میں
 ایسا کمال حاصل کرتے نہیں دیکھا جو مسٹر پامر نے حاصل
 کیا ہے۔۔۔۔۔۔ اس لئے اور بھی زیادہ قابل
 تعریف و مبارکباد ہیں کہ انگلستان کے اندر رہ کر انھوں
 نے تھوڑے ہی دنوں میں ہندستانی زبان پر ایسی
 قدرت حاصل کر لی جو ان کے ہزار ماہل وطن باوجود
 پوری کوشش کے حاصل نہ کر سکے۔۔۔۔۔۔
 موصوف کے مضمون کو دیکھ کر میں تو دنگ رہ گیا۔“

پروفیسر سید عبداللہ نہ صرف اردو کی تعلیم دیتے تھے بلکہ دہاسی کی طرح
 ہمیشہ اردو کی حمایت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں انھوں نے
 اردو کی حمایت میں ایک خط سر اسٹفورڈ مارٹن کوٹ کے نام لکھا تھا جو اخبار
 انڈین میل مورقہ ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا تھا اور اسی اخبار میں
 استاد کے خط کے بعد ان کے شاگرد مسٹر پامر کا مضمون بھی بعنوان ”السنة
 شرقية کا مطالعة“ شائع ہوا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سید عبداللہ نے اپنے
 شاگردوں کو بھی اردو کی حمایت کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ اردو کی پروفیسری سے
 استعفا دینے کے بعد سید عبداللہ نے لندن میں مختلف کام کئے جن میں سے
 ایک یہ بھی تھا کہ اخبار اور نیل سرکل لندن کے لئے اردو میں اشتہارات لکھا کر
 تھے۔ وہ اردو کے شاعر بھی تھے۔ دہاسی نے ان کی غزلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ شیکسپیر۔ جان (پیدائش ۴ اگست ۱۵۶۴ء وفات ۱۰ جون ۱۶۱۶ء)
یہ مشہور مستشرق اور پروفیسر تھے۔ ساہا سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی
کالج اڈسکومب میں اُردو کے پروفیسر رہے۔ وتاسی نے ۵ مئی ۱۵۹۹ء کے
خطبہ میں اُن کا شرح و بطل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس امر کا بھی اعتراف
کیا ہے کہ وہ ”ہندستانی زبان میں میرے استاد تھے جس طرح مشہور ایس
دسائی میرے عربی و فارسی کے استاد تھے“ چونکہ جے شیکسپیر نہ صرف
اُردو کے مشہور پروفیسر بلکہ استادِ الاساتذہ گارساں وتاسی کے بھی استاد تھے
اِس لئے اُن کے حالات زندگی ہم یہاں خود وتاسی کی اُس تقریر کے چند
اقتباسات سے پیش کرتے ہیں جو شیکسپیر کی وفات کے بعد کی گئی تھی:-

”جے شیکسپیر ۴ اگست ۱۵۶۴ء کو اسٹائٹن ہیرلڈ میں پیدا ہوئے
جو لیسٹر کا ایک قصبہ ہے۔ یہاں ان کے اجداد کئی صدیوں سے سکونت گزیر
تھے اور اُن کے ہاں یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ لوگ اسی نام کے شاعر
(ولیم شیکسپیر) کے خاندان سے ہیں اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے یہ شاعر
اسٹریٹ فورڈ آن آیون میں جو ماروک شائر کا قصبہ ہے اور اس قصبے سے
متصل ہے، پیدا ہوئے تھے۔ لیکن یہ ولیم شیکسپیر کی اولاد میں سے نہ تھے
اور وہ یقیناً اس خاندانی نام کے آخری وارث نہ تھے جیسا کہ بعض اخبارات
کا بیان ہے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ ورد انگیز المیہ نگار نے کوئی اولاد ذکر
نہیں بھڑائی۔

جان شیکسپیر کم عمری ہی کے زمانے سے مشرقی السنہ خصوصاً عربی،

فارسی و ہندستانی کے حصول کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۸۷۱ء میں بحری فوجی کالج میں السنہ مشرقی کے پروفیسری کے لئے نامزد کئے گئے۔ اس خدمت کے موقوف ہو جانے کے بعد وہ الیٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوفہ اڈسکو بمب میں ہندستانی کی پروفیسری کی خدمت پر مامور ہوئے۔ ۱۸۷۳ء تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ رائس ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام پر وہ اس کے لائبریرین مقرر ہوئے اور اس اعزازی خدمت کو انھوں نے اپنی وفات تک انجام دیا۔

۱۸۷۵ء میں وہ پیرس آئے اور اس سال کے موسم سرما میں میرے سلسلہ تعلیم میں شریک ہوئے۔ میں نے ان کی ایم دسائی سے ملاقات کرائی۔ انھوں نے اس سے قبل صرف اُن کی تصانیف کے ذریعے سے ان سے واقفیت حاصل کی تھی اور ان کی علیت کی وہ بے انتہا قدر کرتے تھے۔ ہم دونوں ارژاں قوی (Argen Teuil) گئے جہاں علم قبرستان میں اُن کے حقیقی بھائی کی قبر تھی۔ بے شکسپیر میں صرف اسی وقت آئے تھے۔ مجھے انگلستان میں خاص طور پر اُن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اُن کی پہلی تصنیف ”اسپین کے عربوں کا تاریخ“ ہے۔ یہ تصنیف اسپین کی مجلس انٹی کوریٹین آف اسپین میں لندن کے جے، سی، مرنی نے ۱۸۶۶ء میں طبع کرائی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی ”ہندوستانی صرف و نحو“۔ ”ہندوستانی کے انتخابات“ ”ہندوستانی لغت“ اور ”مقدمہ تعلیم ہندوستانی“

متعد و بار طبع کرائے۔ انھوں نے شادی نہیں کی۔ بیچکے پرارمی واقع ایشیہ
دے لاسے روش میں جو زمین انھوں نے خریدی تھی وہیں ۸۴ سال کی عمر
میں ۱۸۵۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے دو لاکھ ہزار پونڈ ترکہ
چھوڑا یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ اس رقم کے منجملہ انھوں نے ڈھائی
ہزار پونڈ، اسٹریٹ فورڈ آن ایون کے مکان کی ترمیم و نگہداشت کے لئے
چھوڑے جہاں شکسپیر پیدا ہوا تھا۔ اپنی زندگی میں بھی تقریباً اسی قدر رقم
انھوں نے اس کام پر صرف کی تھی۔ اس مرتبہ انھوں نے خاص طور پر یہ
وصیت کی تھی کہ سوان اف ایون کے منتظمین سے اس امر کا فیصلہ کر لیا جا
کہ وہاں ایک شکسپیر میوزیم قائم کیا جائے۔ اس کے علاوہ انھوں نے
ساتھ ہزار پونڈ سالانہ اس مکان کے چوکی دار اور زائرین کی کتاب مہمانہ
کی نگہداشت کے لئے وصیت کئے تاکہ جو لوگ وہاں آئیں وہ اس کتاب
میں کوئی شعر یا جملہ اپنے نام کے ساتھ لکھ جائیں۔

اس قدر کثیر دولت جو اس مستشرق نے چھوڑی وہ اس کی ہندستانی
ادبی تصانیف خصوصاً لغت کی کامیابی کی وجہ جمع ہوئی تھی۔ یہ لغت چار مرتبہ
طبع ہوئی اور ہر بار کئی ہزار تعداد میں۔“

۱۲۔ گورڈن۔ کپتان ایڈم گورڈن۔ چلن ہم کالج میں ساہا سال
تک اُردو کی پروفیسری انجام دی اور ابھی اس منصب پر فائز تھے کہ
مئی ۱۸۵۶ء میں اچانک وفات پائی۔ ہندستان بھی آئے تھے اور یہیں کے
اشائے قیام میں اُردو زبان سیکھی تھی۔ دتاسی نے ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کے خطبہ

میں ان کی اچانک موت کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ ماتھر۔ کاٹن ماتھر (Cotton Matham) پہلے اڈسکوب ہیں اور بعد کو دو بچ کی فوجی اکیڈمی میں اُردو کے پروفیسر تھے۔ ۱۸۶۲ء سے قبل کئی سال تک یہ خدمت انجام دی۔ جب ۱۸۵۹ء میں لندن کی بائل سوسائٹی نے انجیل کا با ترجمہ نسخہ شائع کرنا چاہا تو یہ کام مسٹر کاٹن ماتھر ہی کے تفویض کیا گیا۔ جنہوں نے اس کتاب کو دو کالم میں مرتب کیا۔ ایک کالم میں انگریزی اور دوسرے میں اُردو۔ اس کے میں ہزار نسخے طبع کئے گئے۔ اس کے آخر میں شریک کرنے کے لئے مسٹر ماتھر نے ایک فرہنگ اُردو الفاظ کی تیاری کی۔ یہ فرہنگ اتنی مفید ثابت ہوئی کہ ۱۸۷۰ء میں اس کو علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ دتاسی نے ماتھر کی مرتبہ با ترجمہ انجیل کو ان کا بڑا کارنامہ قرار دیا ہے۔ اور ان کی فرہنگ یا لغت کی نسبت اس کی رائے ہے کہ :-

”ہندستانی اور یورپین دونوں اسی قدر کی نگاہوں سے
دیکھیں گے۔ بالخصوص وہ یورپین جو ہندستانی زبان کا
مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس کا بڑی خوشی کے ساتھ خیر مقدم
کریں گے۔ انھیں ہندستانی زبان سیکھنے میں اس سے
بڑی سہولت ہوگی اگر وہ ذرا سی بھی استعداد رکھتے
ہیں تو اس کی مدد سے آسانی آگے چل سکتے ہیں۔“

دتاسی نے مسٹر کاٹن ماتھر کا ذکر اپنے تین خطبوں (۵ مئی ۱۸۵۹ء، ۲۱ ستمبر ۱۸۶۱ء) اور یکم دسمبر ۱۸۶۲ء میں کیا ہے۔

۱۴۔ رچرڈ ہاٹن۔ سرگریوس ہاٹن کے بھائی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالج موقوفہ اڈسکومب کے طالب علم تھے اور بالآخر وہیں ۱۸۳۲ء میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بھانجے مسٹر باکونس اس خدمت پر ان کے جانشین ہوئے۔ دتاسی نے ہاٹن کا ذکر اپنی تقریر (۵ مئی ۱۸۵۹ء) میں کیا ہے۔

۱۵۔ ہال۔ مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال۔ اُردو کے ماہر تھے اور جب ۱۸۶۲ء میں کیننگر کالج لندن میں علوم مشرقیہ کا ایک شعبہ قائم کیا گیا تو یہ اس میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ انھوں نے ایسٹ انڈیا مائوز لندن کے کتب خانہ کی نظامت کی خدمت بھی انجام دی تھی ان کے بعد ولکنز (Wilkins) اور ولکنز کے بعد ایچ ایچ ولسن اور ان کے بعد ڈاکٹر جمیز آر بلین ہاٹن اس خدمت پر مامور ہوئے تھے۔ دتاسی نے ہال کا تذکرہ اپنی دو تقریروں (۲۷ دسمبر ۱۸۶۲ء اور ۵ دسمبر ۱۸۶۳ء) میں کیا تھا۔

ہم عصر مستشرقین

گارساں دتاسی جن اتفاق سے ایسے زمانے میں اُردو کی خدمت میں گرم
محتاج کہ یہ زبان ایک نازک دور سے گزر رہی تھی اور ہندستان میں انگریز حکومت
اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اہل ہند بانیوں
پہلی بار ایک نئی تہذیب اور حکومت سے روشناس ہو رہے تھے، اور ان کا
مذہب، زبان، تمدن اور سیاست غرض وہ تمام چیزیں جن پر قوموں کی
ترقی و زوال اور خود وجود کا دار و مدار ہوتا ہے خطرہ میں پڑ گئی تھیں۔ لیکن
یہ عجیب بات ہے کہ دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں صرف اُردو زبان ہی
ایسی خوش قسمت ثابت ہوئی جس کی حفاظت اور بقا کے لئے اس خطرناک
دور میں ہندوستانیوں سے زیادہ اہل یورپ نے کام کیا۔ نئی تہذیب اور نئی
سیاست کے اس طوفان میں اُردو کی حفاظت کے لئے خود اہل یورپ میں
سے دتاسی کی طرح بہت سے ناخدا پیدا ہو گئے جن میں جرمن بھی تھے اور
فرانسیسی بھی، اٹالین بھی تھے اور انگریز بھی، غرض وہ تمام اجنبی لوگ جو
ہندستان اور اہل ہند سے دلچسپی رکھتے تھے ان کے دلوں کو سب سے
پہلے ہندستان کی اس عام زبان نے موہ لیا، اور جہاں ایک دفعہ اس کا

جادو چل گیا اس نے عمر بھر کے لئے اپنے دوستوں کو اپنا دیوانہ بنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی تاریخ ادب اردو اہل فرنگ کی اردو خدمات کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔

ان اجنبی ناخداؤں نے اردو کی کشتی حیات کو سخت سے سخت طوفانی سمندر میں بھی اس خوبی سے سلامتی کے ساحل تک پہنچایا کہ آج اُن کی خدمت گزاری کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ انھوں نے اردو زبان کے قواعد و ضوابط قلمبند کئے، لغتیں تیار کیں، قاعدے لکھے، علوم جدیدہ سے متعلق نصاب کی کتابیں تیار کرائیں، اور نثر و نظم کو لایعنی تکلفات اور دور از کار تخیلات سے آزاد کر کے اس زبان کو ترقی اور شائستگی کا ذریعہ بنا دیا۔

افسوس کی بات ہے کہ اردو کے یورپین خدمت گزاروں کا اب تک کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا اور اسی امید پر کہ ہماری اس کوشش کو ایک تمہید سمجھ کر دوسرے اہل ذوق اس ضروری موضوع کی طرف متوجہ ہوں گے یہاں صرف ایسے چند خدمت گزاروں کے فعل حالات قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے دتاسی کے مراسم تھے۔

یوں تو اس اردو پر و فسر کے تعلقات اکثر مشرقی زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی وغیرہ کے ماہرین سے نہایت وسیع تھے اور اس کے ہم عصر علماء و فضلاء کا تذکرہ بجائے خود ایک کتاب کی وسعت چاہتا ہے لیکن آئندہ صفحات میں صرف اُن اصحاب کے نام اور حالات

درج ہیں جن کو اردو سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق رہا ہے اور جن کی اردو دھڑا کا خود دتاسی معترف تھا۔

- | | | | | |
|----------------------|------------|----------|------------|------------|
| ۱۔ آرٹ | ۲۔ اسپرنگر | ۳۔ بروٹن | ۴۔ تروس | ۵۔ بیئر |
| ۶۔ پرنسپ | ۷۔ ٹرویر | ۸۔ ٹیلر | ۹۔ روبک | ۱۰۔ فلر |
| ۱۱۔ فلکونر | ۱۲۔ فوربز | ۱۳۔ فیلن | ۱۴۔ گلکرسٹ | ۱۵۔ لاسٹنر |
| ۱۶۔ لیس ۱۷۔ ہال رائڈ | | | | |

۱۔ آرٹ - سینڈ فورڈ (Sandford Arnet) اسکات لینڈ کے مستشرق اور مشہور محسن اردو گلکرسٹ کے شاگرد اور ایک اور ماہر اردو ڈکن فوربز کے دوست تھے چنانچہ آرٹ اور فوربز نے مل کر لندن کے "ادارہ ترقیہ" (اور نیٹل انسٹی ٹیوشن) کی بنا ڈالی تھی جس کی تقلید میں دتاسی نے اپنے اساتذہ و ساسی اور شیکسپیر کی ہمت افزائی سے پیرس میں بھی ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ آرٹ کی عطا کی ہوئی ایک کتاب "ترجمہ گنج خوبی" دتاسی کے کتب خانہ میں موجود تھی۔ (دیکھو کٹلاگ نمبر ۲۸۳) آرٹ نے عین عالم شباب میں ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔

۲۔ اسپرنگر - ڈاکٹر اے، اسپرنگر ایم ڈی (Sprenger) اصل میں طبیب تھے اور بنگال میں اسسٹنٹ مہرجن کی خدمت پر مامور تھے لیکن عربی زبان و ادب کے عالم ہونے کی وجہ سے فارسی اور اردو سے بھی خاص شغف پیدا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے جب ۱۸۴۵ء میں مشہور دہلی کالج کے پرنسپل

مشربروس اپنی علالت کی وجہ سے مستعفی ہو کر یورپ چلے گئے تو ڈاکٹر اسپرنگر کا اس عہدہ پر تقرر کیا گیا۔ وہ اُردو اور مشرقی علوم و تہذیب کے بڑے سہدر تھے اور مشرقی طریقہ تعلیم کی اصلاح کا ان کو خاص طور پر خیال تھا۔

اسپرینگر نے دہلی کالج کی ترقی اور عروج کے لئے ہر وہ کام انجام دیا جو کیا جاسکتا تھا۔ ان کا دور صدارت نہایت کامیاب رہا۔ دہلی کے مسلمان شرفاء اور دیگر اہل علم اُن کی لیاقت اور شرافت کے معترف تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے اس شہر میں بڑا اثر اور مقبولیت حاصل کر لی اور اس طرح سے دہلی کالج کے سہاروں اور پی خواہوں میں بے حد اضافہ ہوا۔

کالج کے صدر کے علاوہ اسپرینگر نے دہلی ورٹیکلر سوسائٹی کے معتمد اور روح درواں کی حیثیت سے بھی اُردو کی بڑی خدمت کی۔ اس سوسائٹی نے اسپرینگر کی قیادت میں اُردو زبان کے ذریعہ سے مغربی علوم و فنون کی اشاعت میں کافی حصہ لیا اور دہلی کالج کے شعبہ مشرقی کے طلبہ کی تعلیم اور ترقی میں خاص مدد دی۔

اسپرینگر نے نہ صرف دہلی کالج کے انتظام کو اچھا رکھا اور نصاب تعلیم میں اصلاحیں کیں بلکہ نصاب کو مفید بنانے کی خاطر خود بھی زحمت اُٹھائی تاریخ مینی کو مرتب کر کے چھپوایا۔ حماسہ اور تنبی کے نسخے ہم پہنچا کر عربی کے نصاب کو تقویت دی۔ اور فارسی کے مولویوں کو جو پر تکلف اور مقفیاد و مسجع طرز کے دلدادہ تھے اور متاخرین کے کلام کو پسند کرتے تھے متقدمین کے کلام اور سادہ اور موافق فطرت شعر و سخن پڑھنے اور پڑھانے کی طرف

متوجہ کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ اپنے شاگردوں اور دہلی کالج کے طلبہ کی ہمت پر بہت افزائی کرتے تھے۔ چنانچہ ماسٹرراچنڈر جب ۱۸۵۸ء میں کلکتہ گئے تو اسپرنگر نے انریبل دی بٹھیوں رکن سوپریم کونسل و صدر مجلس قانون و مجلس تعلیم سے اُن کا تعارف کرایا۔ جس کی بنا پر ماسٹرراچنڈر کو صاحب مہوف نے اُن کی کتاب کے ایک نسخے کے صلے میں دو سو روپے عطا کئے۔

دتاسی کے ایک شاگرد سیٹن کار نے جو صوبہ بنگال کے ناظم تعلیمات اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اپنی رپورٹ بابتہ ۱۸۵۷ء میں ڈاکٹر اسپرنگر کی تعریف کی تھی کہ اُنھوں نے دہلی کالج میں اُردو کو ذریعہ تعلیم برقرار رکھ کر شاندار نتائج حاصل کئے۔

اسپرنگر نے پرنسپل کا جائزہ لیتے ہی ممالک مغربی شمالی کے فٹنٹ گورنر کی خدمت میں ایک اسکیم روانہ کی جس میں اس امر پر زور دیا کہ ایک علیحدہ اسکول قائم کر کے طلبہ کو ابتدائی تعلیم دی جائے اور جب وہ دہلی کالج میں شریک ہونے کے قابل ہوں اس وقت کالج میں ان کو داخل کیا جائے۔ یہ مفید تجویز اگرچہ پسند کی گئی لیکن اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اسی طرح اس سال کی رپورٹ میں اُنھوں نے فارسی اور عربی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کے طریقہ کی اصلاح کی تجویز پیش کی اور شعبہ مشرقی کے نصاب میں مغربی علوم کی تعلیم کو داخل کیا جس کے لئے متعدد انگریزی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرایا گیا۔ ان ترجموں کی نسبت ڈاکٹر اسپرنگر کے مساعی کے بارے میں مجلس تعلیمی نے ۱۸۴۵ء کی رپورٹ میں جو گورنمنٹ میں پیش کی گئی تھی بڑے اچھے الفاظ استعمال

کئے ہیں۔

تین سال تک دہلی کالج اور اردو کی خدمت کرنے کے بعد فروری ۱۸۷۸ء میں ڈاکٹر اسپرینگر گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے لکھنؤ بھیجے گئے تاکہ کتب خانہ جات شانِ اودہ کی فہرست تیار کریں۔ یہ فہرست مشرقی علوم و فنون کی نسبت نہایت مفید معلومات کا ایک اہم ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعے سے اسپرینگر نے نہ صرف شانِ اودہ کے کتب خانوں کو جو بعد میں منتشر ہو گئے زندہ جاوید بنا دیا بلکہ اردو ادب کی بہت سی نایاب کتابوں سے بھی اردو دنیا کو روشناس کیا۔ اس کو انھوں نے بڑی محنت اور قابلیت سے تیار کیا تھا اور یہ سہ میں شایع ہوئی۔

لکھنؤ کے کام سے فارغ ہونے کے بعد اسپرینگر ۱۲ جنوری ۱۸۵۵ء کو پھر دہلی کالج کی صدارت پر واپس ہوئے۔ لیکن چند ماہ کے بعد ہی ۱۹ اپریل ۱۸۵۵ء کو بوجہ علالت رخصت لے کر شملہ چلے گئے۔ اور ایک مہینہ بعد یعنی مئی ۱۸۵۵ء میں ان کو بجائے دلی کے کلکتہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے معتمد اور فورٹ ولیم کالج کے امتحان کی حیثیت سے مشرقی علوم اور اردو کی خدمت کرتے رہے۔

ڈاکٹر اسپرینگر کی فرمائش اور مدد سے جو کتابیں اردو میں منتقل ہوئیں ان میں ترجمہ ابوالعزا جلد اول، دوم، چہارم و پنجم از منشی کریم الدین اور اردو میں انگریزی گرامر از رام کرشن قابل ذکر ہیں:-

دتاسی نے اپنے کئی خطبوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی تحریک

اُردو تراجم کے اعتراف کے سلسلہ میں، دسمبر ۱۸۶۵ء کے خطبہ میں لکھا ہے کہ
”کاش کہ پھر کوئی اس کام کو شروع کرے“

۳۔ پترو (بوترو) نیلس۔ (Boutros) مشہور فرانسیسی
مستشرق تھے۔ ”میں“ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۲ء میں اپنے کسی قریبی عزیز کے
یہاں ہندستان چلے آئے۔ چونکہ بچپن میں یہاں آئے تھے اس لئے اُردو
بہت جلد سیکھ لی اور تحریر و تقریر میں بالکل بے تکلفی سے یہ زبان استعمال
کرتے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں مغلی کا پیشہ اختیار کیا اور ۱۸۴۱ء میں دہلی کالج کی
صدارت اُن کو تفویض کی گئی جس کے ساتھ اُن مدارس کی نظارت کا کام
بھی ان کے سپرد تھا جو شہر دہلی کی ”مجلس تعلیمی“ کے ماتحت تھے۔ ۱۸۴۱ء میں
وہ ایک کمیشن کے معتمد بنائے گئے جس کے پیش نظر یہ کام تھا کہ ہندوستانی
طلبہ کی ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جو ماوری زبان
بالخصوص اُردو کے ذریعہ سے تعلیم کو عام کر سکے۔ اس کمیشن نے ایک انجمن
بنادی جس نے بتروس کی قیادت میں ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۵ء تک تیس اعلیٰ پایہ
کی اُردو کتابیں لکھوائیں جو مختلف موضوعوں مثلاً طبیعیات، کیمیا، ریاضی
فلکیات، آئین سازی، معاشیات اور قانون وغیرہ پر قلبند کی گئی تھیں
موسیو بترو نے خود تین کتابیں لکھیں جو یہ تھیں۔ ۱۔ اصول قانون سازی ۲۵
۲۔ ہندستان کی مالیات (۱۶۶ صفحات) ۳۔ حقوق شخصی (۲۱۰ صفحات)
یہ تینوں کتابیں دہلی میں لیتھو پریس میں چھپی تھیں اور دتاسی نے اُن کے نسخے خاص اہتمام
سے حاصل کئے تھے۔ دتاسی ان کی دوستی تھی جس کا ذکر اس نے اپنے خطبہ

مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۶ء میں کیا ہے۔

بُترو نے اپنے خلوص اور جہد و جد کے ذریعہ سے دہلی کالج کو اس قابلِ احترام درجہ تک پہنچایا جس کا وہ مستحق تھا۔ انہی کی کوششوں سے اس کالج کے مشرقی اور انگریزی شعبے بواہد میں علیحدہ علیحدہ تھے ایک ساتھ کر دیے گئے۔ اس مستحق خیال کے تحت انھوں نے ۱۹۶۲ء میں دونوں شعبوں کا ایک ہی مضامین میں امتحان لیا جس کے نتیجے کے طور پر معلوم ہوا کہ مشرقی شعبہ کسی طرح مغربی شعبہ سے پیچھے نہیں ہے۔ لفٹ گورنر نے بوترو کی اس تجویز کو پسند کیا اور ۱۹۶۲ء سے بوترو اپنے اس اہم مقصد میں کامیاب ہو گئے اور دونوں شعبے ایک ساتھ کر دیے گئے۔

چونکہ بوترو کو اُردو سے خاص دلچسپی تھی اس لئے قیام درنیکر سوسائٹی کے اس مقصد کے باوجود کہ بنگالی، ہندی اور اُردو تین زبانوں میں کتابیں تیار کرائی جائیں صرف اُردو ہی میں کتابیں تیار ہوئیں۔ چونکہ وہی اس انجن کے بانی اور روح و رواں تھے اور اس کے اربابِ کار میں سے کسی اور میں کام کرنے اور جہد و جد کا دلولہ نہ تھا اس لئے مجلس انتظامی کے ہتھ کے باوجود بوترو نے اُردو ہی کی خدمت کی۔ بوترو کی قائم کی ہوئی یہی ایک سوسائٹی کئی ناموں سے مشہور ہوئی مثلاً ۱۔ دہلی کالج درنیکر ٹرانسلیشن سوسائٹی ۲۔ درنیکر سوسائٹی ۳۔ ٹرانسلیشن سوسائٹی ۴۔ اُردو سوسائٹی، ۵۔ لائبریری آف یوسف نلج وغیرہ۔

بوترو نے اُردو کی جو خدمت کی اور اہل ہند کی تعلیمی ترقی اور تہذیب

کے لئے جو کام کئے اُن کا تفصیلی تذکرہ اُن کی تجویزوں اور رپورٹوں سے ملتا ہے۔ ان کے اقتباسات کتاب ”مرحوم دہلی کالج“ میں شائع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ان کی نسبت تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۱۸۴۷ء کے اواخر میں بوترو کی صحت بہت خراب ہو گئی اور طبیعوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ کچھ روز کے لئے اپنے وطن فرانس ہو آئیں۔ چنانچہ انہوں نے دو سال کی رخصت حاصل کر کے اپنے وطن کا رخ کیا۔ ان کی روانگی کے وقت جو الوداعی جلسے ہوئے ان میں گورنمنٹ ہند کے سب اعلیٰ حکام اور اہل دہلی نے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کیا اور ان کی واپسی کی تمنایں ظاہر کیں۔

اپنے وطن فرانس پہنچنے کے بعد بوترو نے انجیرس میں قیام کیا جہاں کی آب و ہوا اتنی راس آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے وہ بالکل صحت مند ہو گئے اور انجیرس کے مجسٹریٹ کی لڑکی سے شادی بھی کر لی جس کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنی متاہرانہ زندگی سے زیادہ عرصہ تک محفوظ نہ ہو سکے اور مئی ۱۸۶۷ء میں بمقام انجیرس انتقال کر گئے۔ دتاسی نے اسی سال کے خطبے میں اُن کی نسبت کہا کہ :-

”جنہیں آپ کے ساتھ سابقہ رفا اُن کے دل میں آپ کی ہمیشہ قدر اور عزت رہی۔ آپ کا شمار ان چند نفوس میں ہونا چاہئے جنہوں نے فارسی کی جگہ ہندستانی کو رائج کرنے کی کوشش کی اور خود ہندستانیوں کو نشر لکھنے کا شوق دلایا۔“

مولوی ڈاکٹر عبدالحق نے ”مرعوم دہلی کالج“ میں اُن کی نسبت لکھا ہے :-

”یہ بہت قابل اور صاحب علم شخص تھے۔ انھوں نے
مشرقی شعبے میں مغربی علوم کی ترویج میں بڑی کوشش کی
اور ویسی زبان میں ترجمے کے ذریعے علم کی اشاعت کے
بڑے حامی تھے جس ستمدی اور حقیقی سرگرمی اور غرض
سے دہلی درنیکر سوسائٹی کے ترقی دینے اور کتابوں
کے ترجمہ کرانے میں کوشش کی وہ نہایت قابل قدر ہو
اور اُن کا احسان اُردو زبان پر ہمیشہ رہے گا۔“

۴۔ بروٹن۔ کرنل ٹاس ڈویر (Broughton) ان قدیم انگریزوں
میں سے تھے جنھوں نے اوائل انیسویں صدی میں ہندوستانی زبانوں پر کام
کیا۔ انھوں نے ”ہندوؤں کی مقبول شاعری کے منتجات“ کے نام سے ایک
مجموعہ شائع کیا تھا جس میں ۵۹ ہندی گیت اور بہت سے مقبول شعرا کا
ذکر درج ہے۔ یہ دتاسی کے دوست تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے خطبہ
(مورخہ ۴ دسمبر ۱۸۵۷ء) میں بروٹن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

”بہت با اخلاق شخص تھے اور مجھے ذاتی طور پر ان کی
ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ ان کا انتقال لندن میں

۱۶ نومبر ۱۸۳۵ء میں ہوا۔“

۵۔ سمیٹر۔ جے (Beams) مشہور ماہر لسانیات تھے جنکی
کتاب ”ہندوستانی لسانیات کا خاکہ“ اب تک ہندوستانی السنہ پر ایک مستند

تحقیقی مقالہ سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے ۱۸۵۵ء کے بعد سے پندرہ بیس سال تک اُردو کی حمایت کے لئے بڑی جدوجہد کی انھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل بابت ۱۸۶۶ء کے شمارہ اول میں ایک مضمون بعنوان ”اُردو میں عربی عنصر کی حمایت“ لکھا تھا جس میں ثابت کیا ہے کہ :-

”اُردو ہندوستانی کی مہذب ترین شکل ہے۔ اس میں ایجاز اور فصاحت بدرجہ اتم موجود ہے اور اظہار خیال کے لئے اس زبان میں بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے..... اُردو سے عربی فارسی الفاظ کو خراج کرنا ایسا ہے جیسے آپ انگریزی زبان سے لاطینی الفاظ نکالنے کی کوشش کریں اور چاہیں کہ اس میں صرف سکسن اصل کے لفظ باقی رہیں۔ زبانیں اس طرح بالا راہ نہیں بنائی جاتیں۔“ وغیرہ۔

اسی طرح ۱۸۶۸ء کے کوارٹلی جرنل (نمبر ۲۳) میں بھی بیمر نے اُردو کی بے حد حمایت کی ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ :-

”اگر سرکاری طور پر ہندوستانی کو سارے ہندوستان کی زبان تسلیم کیا جائے تو یہ صرف اس وقت ممکن ہو گا کہ ہندوستانی کو فارسی سے بالکل جدا نہ کیا جائے..... اگر اُردو لکھتے وقت سنسکرت یا ہندی یا عربی و فارسی کے ہم معنی لفظوں میں سے ایک چننا ہو تو آخر الذکر کو

سب پر ترجیح دینی چاہئے۔“

بینر اور دتاسی نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ دونوں کے آپس میں بڑے مخلصانہ تعلقات بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے دتاسی کے یہاں ہندستان سے کئی کتابیں بطور تحفہ روانہ کی تھیں۔

۶۔ پرنسپ - ہنری ٹامس (Prinsip) مشہور فاضل جنہیں پرنسپ کے بھائی تھے ۱۸۳۵ء میں گورنر جنرل کی کونسل کے رکن تھے اور ہمیشہ مشرقی علوم اور خاص کر اردو کی حمایت کرتے تھے۔ چنانچہ جب مکالمے نے انگریزی کے رواج اور مشرقی تعلیم کی تحدید کی تجویز پیش کی اور اس کے بموجب لارڈ مینٹگ گورنر جنرل نے ۱۸۳۵ء کو اس بارے میں ایک تاریخی رزلوشن جاری کیا تو مشرقی علوم کے جن ماہرین نے اس کی مخالفت کی ان میں پرنسپ بھی شامل تھے۔ چنانچہ خود کونسل میں انھوں نے لارڈ مکالمے سے بڑی تیز اور سخت بحث کی۔

پرنسپ بعد کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر اور وزیر ہند کے رکن جیسے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ جب ۱۸۵۷ء میں بلکہ وکٹوریہ نے قیصر ہند کا خطاب قبول کر کے لارڈ کیننگ کو پہلا وائسرائے بنایا اور لارڈ اسٹینلی وزیر ہند مقرر ہوئے تو پرنسپ کو وزیر ہند کی کونسل کا رکن مقرر کیا۔

اس سے قبل جب پرنسپ ہندستان میں تھے تو ان کو ۱۸۴۷ء میں تعلیمی راجکشینل کمیٹی کا رکن بھی مقرر کیا گیا۔ اس کمیٹی نے اردو میں تعلیمی کتب کی تیاری کے لئے ایک مفید اسکیم بنائی تھی جس کا مفصل تذکرہ

”مجموع دہلی کالج“ میں درج ہے۔ پرنسپ نے دتاسی کے لئے ”تاریخ شیرشاہ“ مترجمہ مظہر علی خاں ولاشہ ۱۸۰۲ء کا ایک نسخہ بھی روانہ کیا تھا جس کا ذکر اس کے کتب خانہ کے کٹلاک نمبر ۲۸۰۲ میں شریک ہے۔

۷۔ ٹرویر۔ کپتان الٹی (Troyer)۔ مشہور مستشرق فلکونر کے قدیم دوست اور کلکتہ ہندو کالج کے معتمد تھے۔ لارڈ ولیم شٹیک گورنر جنرل ایڈمی کانک بھی رہ چکے تھے۔ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے۔ اردو بھی سیکھ لی تھی۔ ہندستان سے واپسی کے بعد پیرس میں عرصہ تک قیام کیا اور وہیں تزانوے سال کی عمر میں ۲ جون ۱۸۶۹ء کو انتقال کیا۔ دتاسی نے اسی سال کے خطبے میں اُن کی نسبت کہا تھا کہ:-

”آپ کی میرے حال پر بڑی عنایت تھی۔ چنانچہ ہندوستانی کے متعدد قلمی نسخوں کی نقلیں آپ کی مدد سے میں نے کرائی تھیں۔ آپ نے دو مہمان مذاہب کے انگریزی ترجمے کی تکمیل کی جسے O. Shea نے شروع کیا تھا۔ راج ذرنگنی کا بھی انگریزی ترجمہ آپ نے ختم کیا۔ اس کتاب کو کشمیر کی تاریخ سمجھا جاسکتا ہے اس کے علاوہ آپ کے متعدد مصنفین پیرس کے ژورنال ایشیاٹک میں نکلتے رہے ہیں“

دتاسی کے کتب خانے کے لئے انھوں نے جب ذیل کتابیں بھجوائی تھیں

۱۔ گلزار ابراہیم۔ علی ابراہیم خاں خلیل۔ خود ٹرویر نے نقل کیا تھا۔

۲۔ قصہ کامروپ۔ تحسین الدین۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ سے
ٹرویر نے نہایت اہتمام سے نقل کرایا تھا۔

۳۔ قصہ یوسف زلیخا۔ امین دکنی شہ ۱۶ء۔ فورٹ ولیم کے کتب خانہ
سے ٹرویر نے خاص اہتمام سے نقل کرایا تھا۔

۴۔ تذکرہ گرویزی۔ علی حسینی گرویزی ۱۱۵۳ھ۔ خود ٹرویر نے میونسپل
کے قلمی نسخے سے نقل کیا تھا۔

۸۔ ٹیلر۔ جے۔ ایچ (Taylor)۔ دہلی کالج کے بانیوں
میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اردو کے شیدائی اور زبان و ادب کے بہت بڑے
ماہر تھے۔ انیسویں صدی کے رنج اول میں دہلی آئے اور اس شہر کے باشندوں
سے اور وہاں کی زبان سے ان کو اتنی محبت ہو گئی کہ اپنی پوری زندگی یعنی
تیس، چالیس سال وہیں گزار دیئے اور آخر کار اسی شہر میں ۱۸۵۶ء کے
قیامت خیز ہنگامے میں مارے گئے۔

ٹیلر دہلی کی مجلس تعلیمی کے معتمد تھے۔ اور جب ۱۸۲۳ء کے اواخر میں
مجلس تعلیم عامہ نے ایک گشتی چھٹی بھیج کر دہلی کی تعلیمی حالت دریافت کی تو
ٹیلر نے جنوری ۱۸۲۴ء میں ایک جواب روانہ کیا جس میں مختلف امور سے
بحث کی اور دہلی کالج کے قیام کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی۔ اس جواب
کے آخری حصہ میں نہایت پر جوش انداز میں دہلی کی اہمیت ظاہر کی گئی تھی
جس سے دہلی کی محبت ٹپکتی ہے۔

غرض اس پر جوش جواب کی بنا پر ۱۸۲۵ء میں مجوزہ کالج کا افتتاح ہوا

اور مقامی مجلس تعلیمی کے معتمد جے ایچ ٹیلر ایک سو پچھتر روپے مانا نہ یافت پر اس کے معتمد مقرر ہوئے۔ اس کالج کے قیام کی طرح اس کی ترقی اور مقبولیت میں بھی ٹیلر کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دلی میں وہ اپنے حسن اخلاق اور لیاقت کی وجہ سے بہت مقبول و معروف تھے اور اکثر شرفائے شہر سے ان کے ذاتی تعلقات تھے۔ اور وہ بلا تکلف اُردو میں بات چیت کر سکتے تھے۔ انھوں نے اہل ہند اور خاص کر اہل دہلی کی تعلیمی ترقی کے لئے جو کچھ خدمات انجام دیں ان سے کتاب ”مروم دہلی کالج“ کے صفحات معمور ہیں۔

چونکہ ٹیلر کے ذمہ کالج کی معتمدی کے علاوہ دوسرے کام بھی تھے اور اس لئے وہ کالج پر زیادہ وقت صرف نہ کر سکتے تھے اس لئے مجلس نظامی نے ۱۸۳۷ء میں یہ تجویز کی کہ ٹیلر کو کالج کا پرنسپل مقرر کر کے ان کی خواہ آٹھ سو روپے مانا نہ قرار دی جائے لیکن گورنمنٹ نے اس کو آئندہ پرنسپل رکھا اور آخر کار ۱۸۴۱ء میں مسٹر ایف بٹرو کا تقرر کر دیا۔

۱۸۵۳ء میں ٹیلر قائم مقام پرنسپل بنائے گئے لیکن دو تین سال تک پرنسپل کرنے پائے تھے کہ غدر ہو گیا۔ مولوی عبدالحی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ:-

”مسٹر ٹیلر نے دلی کالج میں تیس برس تک ہیڈ ماسٹر کی اور دو تین سال پرنسپل رہے۔ وہ طلبہ پر پدرانہ شفقت

کرتے تھے کہ یہ سب میری اولاد ہیں اور ان سے بہتر

اولاد ہو نہیں سکتی۔ ان کے اخلاق حمیدہ کا

طلبہ پر بہت بڑا اثر تھا۔ وہ ان سے سچی محبت کرتے

تھے بعض (سندو) طلبہ نے تو ان کے اخلاق سے
متاثر ہو کر اپنا مذہب تک بدل دیا۔
ناظم تعلیمات مالک مغربی شمالی نے شیلر کی وفات پر لکھا کہ :-
گورنمنٹ کے کسی محکمے میں ان سے زیادہ صادق
اور قابل قدر کوئی شخص نہ تھا۔ ان کے طویل قیام
دہلی اور طلبہ سے گہری واقفیت نیز اس ادب و احترام
کی وجہ سے جو دہلی والے ان کا کرتے تھے اور بوجہ
اس اثر کے جو وہ کالج کے ہندوستانی اساتذہ پر رکھتے
تھے انہوں نے بہت سی اصلاحیں بغیر کسی مخالفت
کے جاری کیں اور کالج کو بڑی ترقی کے درجہ تک
پہنچایا۔

گارساں دتاسی اور شیلر کے بھی بڑے دیرینہ اور استوار تعلقات تھے
اس نے اپنے خطبہ بابت ۱۰ دسمبر ۱۸۷۵ء میں کہا تھا :-
”اضلاع شمالی و مغربی کی علمی و ادبی ترقی کی تمام اطلاعات
مجھے مسٹر شیلر کی عنایت سے حاصل ہوئی تھیں حقیقت
میں یہ شخص بڑے لطیف و کرم اور مذہبی سے مجھ سے
خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ اور چونکہ ہندوستانی
زبان کا وہ بڑا ماہر تھا اور اہل علم ہندوستانیوں کے پاس
اس کی آمد و رفت تھی کہ جن سے وہ اردو میں بلا تکلف

بات چیت کر سکتا تھا اس لئے اب تم خود اندازہ
کر سکتے ہو کہ میرے لئے اس کا وجود ہندستان کی علمی
اور ادبی ترقیات کے متعلق کس قدر کارآمد اور
فائدہ رساں تھا۔“

افسوس ہے کہ اُردو کا یہ محسن اُسی شہر میں ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو بڑی بیدری
کے ساتھ سربازار مارا گیا جس کی فلاح و بہبود کے لئے اس نے عمر بھر کوشش کی۔
ٹھیلرا اپنے بعد ایک جوان بیوہ اور کم عمر بچہ چھوڑ گئے وہ کالج ہی کی کوچھی ہیں
رہتے تھے۔

جب ۱۱ مئی کو غدر شروع ہوا اور میگزین کے کمانڈنٹ نے بذریعہ
خط دلی کالج کے یورپین اسٹاف کو میگزین میں بلا بھیجا تو ٹھیلر بھی دوسروں
کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ لیکن بہت جلد ہندستانی سپاہیوں نے میگزین کو
گھیر لیا اور سیڑھیاں لگا کر چڑھنے لگے۔ وہاں پانچ چھ انگریز افسر اور دو تین سارے
تھے۔ انھوں نے خوب مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ کمک کی کوئی اُمید نہیں
تو میگزین کو آگ لگا دی۔ ہزاروں ہندستانی اور ان کے ساتھ پانچ انگریز
خود بھی لقمہ اجل ہوئے۔ سٹرٹلر کو اتفاق سے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا۔ لیکن
ہر طرف موت کھڑی نظر آ رہی تھی۔ بڑی دقت سے کالج کے احاطے میں آئے۔
اور اپنے بڑے خانساں کی کوٹھڑی میں گھس گئے۔ اس نے انھیں محمد حسین آزاد
کے والد محمد باقر کے گھر پہنچا دیا۔ یہ دونوں بہت گہرے دوست تھے محمد باقر
نے ایک رات تو ٹھیلر کو اپنے امام باڑہ کے تہ خانے میں رکھا لیکن دوسرے

روز جب ان کے وہاں چھپنے کی خبر عام ہو گئی تو انھوں نے اس غریب کو ہندوستانی لباس پہنا کر روانہ کر دیا۔ ٹیلر بیرام خاں کی کھڑکی تک پہنچے پائے تھے کہ لوگوں نے پہچان لیا اور اسے لٹھ برسائے کہ بے چارے وہیں فوت ہو گئے۔

۹۔ روبک۔ ٹی (Roebuck) اردو ہندی محاوروں کی کتاب مرتب کی تھی اور انہی کے مشورے سے بینی نارائن جہاں نے اپنے انتخاب دیوان جہاں کا کام تکمیل کو پہنچایا تھا۔ انھوں نے گارساں دتاسی کو تلمذ بخش جرأت کا کلیات مورخہ ۱۸۸۵ء بطور تحفہ دیا تھا۔ (دیکھو گلاگ نمبر ۸۶) ۱۰۔ فلر۔ میجر اسے آر (Fuller) پنجاب میں ناظم تعلیمات تھے اکثر کپتان فلر کے نام سے بھی اُن کا ذکر ملتا ہے۔ غالباً ۱۸۶۵ء کے بعد ان کو میجر کا درجہ ملا تھا۔ یہ اپنی نظامت کے زمانے میں ہر سال پنجاب کی تعلیمی ترقی کی نسبت ایک تفصیلی رپورٹ شائع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۶ء سے ۱۸۶۷ء تک جو کام ہوا تھا اس کی رپورٹ دتاسی کے یہاں بھی روانہ کی تھی۔ دتاسی نے اپنے خطبے مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۵ء میں اُن کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ ان کو اردو سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے ادیب کی توسیع کے لئے انھوں نے بڑی کوششیں کیں۔ دتاسی نے ان کی نسبت اُسی خطبہ میں کہا تھا :-

”خاص کر ہندوستانی زبان کے ساتھ دلچسپی ہے، آپ نے ہندوستانی کی متعدد قدیم دنیا یاب کتابیں طبع کرائی ہیں اور خود بھی نئی کتابیں اس زبان میں لکھی ہیں اور

لکھوائی ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام نہ صرف یہ کہ ایک سالانہ رپورٹ مرتب کی جاتی ہے..... بلکہ ساتھ ہی ایک ہندستانی ماہوار رسالہ بھی شایع کراتے ہیں۔

اسی سال ڈاکٹر انڈرسن نے دتاسی کے یہاں فکر کے حکم سے چھپی ہوئی بہت سی کتابیں روانہ کی تھیں جن پر اس نے تفصیل کے ساتھ اپنے طلبہ کے سامنے تبصرہ کیا تھا۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر لائٹرنے ایک انجمن "اشاعت علم" لاہور میں قائم کی تھی جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت سب علم دوست شریک ہو سکتے تھے۔ اس کے سرپرست فلر ہی تھے اور اخبار کوہ نور کے ایڈیٹر سر سیکھ آن ہی کی نگرانی میں اس کی معتمدی کا کام انجام دیتے تھے۔

فلر نے ۱۸۶۴ تا ۱۸۶۷ء میں پنجاب میں جو تعلیمی ترقی ہوئی تھی اس کی روئداد ۱۹۰ صفحات میں شایع کی تھی جس پر دتاسی نے اپنے خطبہ میں تفصیل تبصرہ کیا ہے۔ اس سال کے تعلیمی دربار میں جو ملکہ کے باغ دہلی میں منعقد ہوا تھا سچر فلر نے لفٹنٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک ایڈرس پیش کیا تھا جس میں دہلی کالج کا بھی ہمدردی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

محمد حسین آزاد انہی کے دفتر میں ملازم تھے۔ ایک دفعہ ماسٹر پیارے لال نے برسیل تذکرہ آزاد کی بڑی تعریف کر دی۔ فلر نے ان کو بلایا اور لفظیاً کی تذکرہ و تائید پر بحث کی۔ آزاد کے جواب سے فلر اتنے مطمئن ہوئے کہ بہت جلد ان کو ترقی دے دی۔

افسوس ہے کہ ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو یہ بھی خواہ اُردو صرف اڑتیس سال کی عمر میں ایک حادثہ کا شکار ہو کر انتقال کر گیا۔ یہ اسی سال انگلستان گئے تھے تاکہ اپنی بیوی اور بچوں کو دیکھیں اور انھیں ساتھ لیسکر ہندستان واپس ہوں یہاں واپس ہونے کے چند ہی روز بعد جب کہ وہ دیہات کے دورے پر گئے ہوئے تھے شہر راولپنڈی کے قریب ایک نالہ میں ان کی گاڑی پانی میں پھنس گئی وہ اس کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ خود ہی پانی کے زور میں بہ گئے اور چند گھنٹوں کے بعد ان کی نعش دور کسی مقام پر ملی۔

۱۱۔ فلکوٹر-ہیو (High Falconer) ویلز میں پیدا ہوئے تقریباً بیس سال کی عمر میں ۱۸۳۷ء میں پہلی بار ہندستان آئے اور اپنی عمر کے بہترین بیس سال اسی ملک کی خدمت میں صرف کئے۔ نباتیات و حیوانیات کے ماہر تھے حافظہ بلا کا تھا۔ معلومات نہایت وسیع تھیں۔ کلکتہ میں سرکاری باغ کے مہتمم (سپرٹنڈنٹ) تھے۔ گارساں دتاسی کہتا ہے کہ ان ہی نے ہندستان میں سب سے پہلے چار اور سنکونامی کاشت شروع کرائی۔ ہندستان کے ہجرات کے متعلق بھی تحقیق کی تھی اور اپنے نتائج برٹش میوزیم میں محفوظ کرا دیے تھے۔ مشہور مستشرق ٹروٹر سے بھی ان کی بڑی دوستی تھی۔

لندن واپس ہونے کے بعد غالباً یونیورسٹی کالج میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے چنانچہ سید احمد سے قبل یہی وہاں اُردو پڑھاتے تھے۔ وہ اُردو میں ملاقات گنگو کرتے تھے جب وہ ۱۸۵۵ء کے قریب ہندستان سے واپس ہوئے تھے تو پیرس میں دتاسی سے ملاقات کی تھی اور دونوں نے اُردو ہی میں تبادلۂ خیال کیا

کیا تھا۔ ۳۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو انتقال کیا۔ لندن کے علمی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ دتاسی کہتا ہے کہ:-

”اُپ کے انتقال پر لندن کے علمی حلقوں میں سے معلومات کا بیش بہا خزانہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا“
فلکوز سے دتاسی کو حسب ذیل دو تلی نسخے حاصل ہوئے تھے۔

(۱) دیوان شاہ رکن الدین غنی دہلوی (۲۸۱۵)

(۲) قصہ مہر و ماہ از منشی غلام اکی (۲) (۲۸۴۵)

۱۲۔ فوربز۔ ڈکنسن (Forbes) اس نام کے کئی اصحاب ہندستان میں مشہور ہوئے مثلاً (۱) جسٹس الکرنڈر کنٹون فوربز جو ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے نائب صدر، بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر، اور گجراتی کے مشہور ماہر تھے اور ایک کتاب ”راس مالا“ چھپوائی تھی۔ انھوں نے ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔

(۲) جیمز فوربز جو اورنٹیل میوزیمز (مشرقی یادداشتیں) کے مصنف تھے اور کونٹ آف مونٹالیمرٹ کے رشتہ کے دادا تھے۔

(۳) سر چارلس فوربز

(۴) ڈکنسن فوربز۔ جن کی نسبت ہم یہاں معلومات درج کرنا چاہتے ہیں۔ ڈکنسن فوربز اسکاٹ لینڈ کے ایک چھوٹے سے قریے میں پیدا ہوئے تھے ۱۸۲۴ء میں ختم تعلیم پر کلکتہ چلے آئے۔ لیکن دو سال کے قیام کے بعد غربی صحت کے باعث ۱۸۲۶ء میں یورپ واپس ہو گئے۔ اس سال دتاسی

سے اُن کی پہلی ملاقات ہوئی جو عمر بھر قائم رہی۔ وہ گلکرسٹ کے شاگرد تھے۔ اور آرٹ کے ساتھ لندن کے ادارہ شرقیہ (اونٹیل انسٹی ٹیوشن) کی بنا ڈالی تھی۔ ۱۸۳۷ء میں فوربز کو لندن یونیورسٹی کے کننگز کالج میں السنہ شرقیہ کی پروفیسری دی گئی اور علمی خدمات کے صلہ میں چھ سال بعد ۱۸۴۳ء میں ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی سند عطا ہوئی۔ دتاسی سے ان کی بے حد دوستی اور محبت تھی۔ انھوں نے ۷ مارچ ۱۸۶۵ء کو وفات پائی۔ دتاسی نے ان کے انتقال پر اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ:-

”فوربز کے خطبات کی طرح ان کی جملہ تصانیف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہایت صاف اور ستھری زبان میں لکھی گئی ہیں۔ فوربز کے شاگرد بے شمار ہیں بعض وہ ہیں جنھوں نے بلا واسطہ تحصیل علم کی اور بعض وہ ہیں جنھوں نے بالواسطہ فیض حاصل کیا۔ ان سب کے دلوں میں اپنے استاد کی بے حد قدر تھی۔ موصوف نے ایک نہایت قابل قدر تلی کتب خانہ جمع کیا تھا۔ تین سال ہوئے بعض وجوہ کی بنا پر انھوں نے یہ کتابیں فروخت کر ڈالیں۔ چنانچہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض نادور نسخے حاصل کر لیے جو میرے کتب خانہ کی زینت ہیں۔ فوربز نہایت سلیم الطبع اور منکسر مزاج شخص تھے۔ ان کی زندگی ایک

علم دوست آدمی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اپنے اور دوسرے بعض اجاب کی طرح جن میں شکسیر، کاترمیر، دے لاکرانج، شامل ہیں، فوربز بھی عمر بھر مجرد رہے۔۔۔۔۔ فوربز نے عمر بھر اپنے کاموں کو اہٹاک اور انتہائی جوش کے ساتھ انجام دیا اور آخری وقت تک محنت اور کام کرتے رہے۔“

دتاسی کے مشہور شاگرد این بلاں نے فوربز سے بھی تحصیل علم کی تھی ۱۸۶۱ء میں فوربز نے دتاسی کے ایک اور شاگرد دیو کی مرتبہ باغ دہار کی اشاعت کا بھی ذمہ لیا تھا۔ خود فوربز نے اُردو سے متعلق اور اُردو میں کئی کتابیں لکھی تھیں جن میں دو بہت مشہور اور مقبول ہوئیں۔

۱، اُردو لغت (۲)، اُردو صرف و نحو۔

اُردو صرف و نحو ۱۸۶۶ء میں مرتب اور شائع ہوئی۔ اس میں چھوٹی سی لغت بھی شامل ہے۔ یہ کتاب اگرچہ اُردو میں لکھی گئی تھی لیکن اس کا رسم خط رومن ہے۔

فوربز نے اپنی اُردو لغت کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۶ء میں شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں انھوں نے اُردو الفاظ کو ناگری رسم الخط میں بھی چھپوایا تھا۔ اور بقول دتاسی ”یہ کام کمال احتیاط اور دیدہ ریزی کے ساتھ کیا،“

فوربز کا ایک اور مشہور کام باغ دہار کو مرتب کر کے شائع کرنا ہے۔ اس کتاب کو انھوں نے پہلے رومن رسم خط میں چھپایا تھا۔ لیکن بعد کو ۱۸۶۶ء میں فارسی رسم خط میں بھی چھپایا اور اس دفعہ نویس کے مشورے کے مطابق

اس کتاب کے بعض ایسے فقرے حذف کر دے گئے تھے جو ذوقِ سلیم کے لئے گراں تھے۔

فوربز نے ۱۷ اگست ۱۸۶۵ء کو لندن میں وفات پائی۔

۱۳۔ فیلن۔ ایس ڈبلیو (S.W. Fallon)۔ ابتدا میں دینے لکھنے میں اور اس سے قبل (جمیر کے مدرسہ کے نگران اور ضلع جمیر کے ناظر مدارس تھے اور بعد کو دینے لکھنے میں) صوبہ بہار کے انسپکٹر تعلیمات ہو گئے تھے۔

۱۸۵۵ء میں ان کی مشہور انگریزی اُردو وکٹوری شایع ہوئی جس میں قانونی اور تجارتی اصلاحیں جمع کی گئی تھیں۔ اس کی نسبت دتاسی نے اُسی زمانے میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ :-

”یہ بہت مفید کتاب ہے جس کی ابتداء میں ایک مقدمہ

ہے جس میں تاریخی و سائنسی لحاظ سے انگریزی کا ہندوستانی

سے مقابلہ کیا گیا ہے“

فیلن نے جمیر میں لیتھو کا ایک مطبع قائم کر کے ایک ہفتہ وار اُردو اخبار ”غیر خواہ خلق“ بھی جاری کیا تھا جو اُس علاقے میں اُردو کا پہلا اخبار تھا۔ اس کی ادارت جمیر کالج کے قدیم طلبہ سوہن لال اور اجودھیا پرشاد کے سپروقتی یہ دونوں انگریزی کے بھی اچھے ماہر تھے اس لئے ان کی تحریر میں انگریزی اثر بھی نمایاں رہتا تھا۔ ”غیر خواہ خلق“ ہر ہفتہ چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحات پر شایع ہوتا تھا۔ روزمرہ کی عام خبروں کے علاوہ اس اخبار میں مختلف عنوانوں پر مضامین بھی شریک کئے جاتے تھے جن میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو سرکار انگریزی نے پسند نہ کیا۔

چنانچہ ۱۹۵۷ء کی بغاوت کے بعد اس اخبار کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی۔
 فیلن نے اگرچہ طبی کالج کے سب اسسٹنٹ سرجن اور علم التشریح کے
 مدرس مکندال سے جو دہلی کالج کے قدیم طلبہ سے تھے ایک سالہ ”تاریخ بغاوت“
 مرتب کرایا تھا جس کی ۳۱ جلدیں ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان زمانہ میں شائع
 ہوئیں اور یہ جلدیں کارساں دتاسی کے یہاں فیلن ہی کی بدولت پہنچی تھیں۔ ان کے
 علاوہ فیلن نے دتاسی کے یہاں منشی شیونراٹن کی ایک کتاب ”رسیدن شہ“
 بھی بھجوائی تھی جس کے تمثیلی طرز بیان کو دتاسی نے مشرقی مذاق کے بالکل مطابق
 قرار دیا ہے۔

فیلن نے صوبہ بہار کے انسپکٹر تعلیمات کی حیثیت سے مدارس میں اُردو
 کی تعلیم کے لئے اُردو ریڈروں کا ایک سلسلہ بھی مرتب کیا تھا۔ ان کی تیاری
 میں منشی سورج مل نے بڑی مدد دی تھی اور ان کی تالیف میں مشرقی طریقہ تعلیم
 کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اسی طرح پٹنہ اور الہ آباد کے محکمہ تعلیمات کی تحریک
 پرفیلن نے ایک کتاب ”اُردو آموز“ بھی مرتب کی تھی اور یہ سب نصابی
 کتب بھی دتاسی کے یہاں روانہ کی تھیں۔

۱۴۔ گلکرسٹ - ڈاکٹر جے، بی۔ (Gilchrist) اس مشہور
 محسن اُردو کے نام اور کام سے اہل اُردو اب ایک حد تک واقف ہو چکے
 ہیں۔ ان کے کارنامے اس قابل ہیں کہ ان پر بھی دتاسی کی طرح ایک علامہ
 کتاب لکھی جاسکتی ہے اور موقع ملے تو انشاء اللہ اس کی تکمیل کی کوشش
 کی جائے گی۔ یہاں مختصر طور پر صرف اس امر کا اظہار کافی ہے کہ دتاسی کو

اچر دو ادب کا شوق اور تاریخ ادب اُردو کی نسبت معلومات جمع کرنے کا خیال گلکرسٹ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کے خطبہ افتتاحیہ میں کہتا ہے کہ:-

”۱۸۲۸ء سے جب کہ نامور گلکرسٹ نے جو انگریزوں

میں ہندوستانی زبان کی تعلیم اور مطالعہ کا بانی ہوا ہے

اپنی اُردو قواعد میں ایک تذکرہ کا حوالہ دیا ہے مجھے

اس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ہوا۔“

گلکرسٹ اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے اور اُردو سے انھیں بڑی دلچسپی تھی۔ ۱۸۵۲ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے انگریز ملازموں کو اُردو زبان اور ہندوستانی امور سے متعلق آگاہ کرنے کے لئے فورٹ ولیم کالج میں کالج قائم کیا تو یہ اس کے صدر مقرر کئے گئے اور انھوں نے متعدد مہند و اور مسلمان اہل قلم سے سادہ اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں قلمبند کرائیں۔ جن کا تذکرہ ”آرباب نثر اُردو“ میں تفصیل سے درج ہے۔ خود گلکرسٹ نے بھی اُردو زبان کی صرف و نحو اور لغت کے علاوہ نثر اُردو کے کئی انتخابات بھی مرتب کئے تھے۔

انھوں نے پیرس میں ۱۸۶۱ء میں انتقال کیا۔ ان کی بیوہ نے بعد میں جنرل پپ کے ساتھ شادی کر لی تھی اس خاتون نے ۱۸۷۵ء میں اپنے وفات کے وقت اپنے وطن اسکاٹ لینڈ کی مشہور ایڈنبرا یونیورسٹی کے نام سائے سات ہزار فرانک سالانہ کی آمدنی چھوڑی تھی اور یہ وصیت کی تھی کہ اس رقم سے تین وظیفے قائم کئے جائیں اور یہ وظیفے ایسے تین ہندوستانی طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے

دئے جائیں جو صوبجات بنگال، مدراس یا بمبئی کے باشندے ہوں اور یہ بھی حجت کر دی تھی کہ ان تینوں صوبوں میں جتنے مشہور کالج ہیں ان کے طلبہ میں سے تین بہترین کو مقابلہ کے ذریعے سے منتخب کر کے یہ وظیفے دئے جائیں۔
گلکرسٹ کے کتب خانے کا ایک قلمی نسخہ ”قصہ کامروپ“ مصنفہ لڈن لاہوری جو خود مصنف کا مکتوبہ تھا داسی کے کتب خانے میں موجود تھا دیکھو کٹلاگ نمبر ۲۸۵۱۔

۱۵۔ لائٹنر۔ ڈاکٹر (Leitner) اردو کے مشہور سرپرست تھے اور اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر ایک اردو جامعہ قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے لائٹنر ہی نے پیش کیا تھا۔ یہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور حکومت پنجاب میں بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے کالج کو فروغ دینے کے لئے انھوں نے یہاں تک کوشش کی کہ لفٹنٹ گورنر پنجاب کو اپنا ہم خیال بنا کر دلی کالج کو بند کر دیا اور وہاں کے جملہ اساتذہ اور طلبہ کو لاہور بلوایا۔

جنوری ۱۸۶۵ء سے اپنی ادارت میں لائٹنر نے ایک انگریزی ماہنامہ ”پنجاب ایجوکیشنل میگزین“ جاری کیا تھا جس میں تعلیمی خبروں اور مشوروں کے علاوہ پریمتر مضامین اور مہینہ بھر کی ادبی مہر و فیتوں کی تفصیل بھی درج کی جاتی تھی۔ اس کی پہلی اشاعت میں خود ڈاکٹر لائٹنر کا ایک مضمون ”عربی فہرست“ کے عنوان پر شایع ہوا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں ڈاکٹر لائٹنر دوسری مہر و فیتوں میں اسٹنہنک ہو گئے کہ اس رسالہ کا ایک نمبر بھی شایع نہ کر سکے۔ اس رسالہ میں ایک مضمون انگریزی تعلیم کے عنوان سے بھی شایع کیا گیا تھا جس میں

بتایا گیا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کی تعلیم سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہوا بلکہ ہندوستانوں کی زندگی کو الٹا اس سے نقصان پہنچا۔ یہی خیالات تھے جن کی بنا پر لائٹنر نے اردو یونیورسٹی کے قیام پر زور دیا تھا۔

ڈاکٹر لائٹنر نے لاہور میں ایک ”انجمن اشاعت علوم“ بھی قائم کی تھی جس کا سرپرست کپتان فلر کو بنایا تھا (دیکھو نمبر ۱)۔ اس انجمن میں ہندو اور مسلمان بلا امتیاز مذہب و ملت شریک کئے گئے۔ اخبار کوہ نور کے مدیر ہر سکھ راس اس کے متقد اور لیپل گرiffin (Lepel Griffin) نائب صدر تھے۔ اس انجمن نے قلیل عرصہ میں بڑی شہرت اور اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ہندو لوگ اس کو ”سکشن سبھا“ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے ساتھ پبلک کے استفادے کے لئے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا اور اس کے مقاصد میں ادبی، معاشرتی موضوعوں پر کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شامل تھا۔ اس کی شاخیں پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی قائم ہو گئی تھیں۔ یکم اکتوبر ۱۸۶۵ء سے اس انجمن کے زیر اہتمام عام دلچسپی اور معلومات کی خاطر اردو میں تقریریں بھی کرائی جانے لگیں۔ انجمن اشاعت علوم کا پہلا اجلاس ۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر لائٹنر اور پنڈت من پھول نے تقریریں کیں جن میں انجمن کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ انجمن عوام کی خدمت کی غرض سے قائم کی گئی ہے اور عوام کی حالت کو سدھارنا اور تعلیم یافتہ اصحاب کو روشن خیال بنانا اس کا اہم ترین فریضہ ہوگا۔ اس انجمن کے قواعد و ضوابط اردو میں شائع ہوئے تھے اور ان پر معطل خیال اور رسالوں نے تبصرے بھی کئے تھے۔

جب ہندوستان میں اُردو ہندی کا جھگڑا شروع ہوا تو انجن لاہور نے اُردو کی حمایت کی اور اپنے ایک جلسہ میں مسٹر مینر کے اُن خیالات کی تائید کی جو انھوں نے اُردو کی حمایت میں ظاہر کئے تھے اور کہا تھا کہ فارسی اور عربی کے الفاظ کو اُردو میں سے خارج کرنے کی تحریک ہندوستانیوں کے لئے نہایت مضر ثابت ہوگی۔

۱۸۶۶ء میں پنجاب ایجوکیشنل میگزین کی طرح یہ انجن بھی کچھ خاموش رہی کیونکہ لائٹنر دوسرے کاموں میں مصروف تھے۔ ۱۸۶۸ء میں مولوی محمد حسین اس کے معتمد مقرر ہوئے اور پھر اس کی حالت سدھر گئی۔ اسی سال اپریل کے مہینے میں اس کا ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں معتمد نے اعلان کیا کہ:-
”ائمذہ سے انجن اس امر کی کوشش کرے گی کہ غربا کی ضرورتیں پورا کرنے میں بھی تھوڑی بہت مدد کرے۔“

اس مقصد کے تحت ایک پروگرام مرتب کیا گیا جس میں سرکاری اسپتالوں میں مفلسوں کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کا تدارک کرنا، افلاس کے باعث جو عورتیں عصمت فروشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں انھیں اس بے حیائی سے بچانا، اور غریب غربا کے لئے دوا تقسیم کرنے کا انتظام کرنا جیسے امور خاص کر قابل ذکر تھے۔

ستمبر میں اس انجن کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں بھی جگہ ملنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ ریلوے کے انتظام سے متعلق بھی بعض شکایتیں حکومت کے گوش گزار کی گئیں۔

۵ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو بھی ایک اور جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں محمد مرزا کا رتبہ ایک صرف دعو کا رسالہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں عربی، فارسی اور ترکی صرف و نحو سے اردو زبان کی صرف دعو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ مرتب نے انجمن سے خواہش کی کہ وہ اپنی طرف سے یہ رسالہ شایع کر دے۔

۱۸۶۷ء ہی میں لائٹرنے ایک اردو یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ تیار کیا تھا جو مختلف ماہرین علوم و شاہیر کے یہاں بغرض رائے روانہ کیا گیا تھا۔ ^{کلیاٹ} یہ بتایا گیا تھا کہ ہندوستانی لوگوں میں علوم و فنون کو رواج دیا جائے اور اردو ادب کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور کوشش کی جائے کہ اس زبان میں ایک جدید ادب وجود میں آئے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لائٹرنے ختم ۱۸۶۷ء تک سرمایہ بھی جمع کر لیا تھا اور لاہور کے رؤساء فیئر لفٹ گورنر مک لیوڈ کو اپنا ہم خیال بنالیا تھا چونکہ مک لیوڈ خود ایک مستشرق ہونے کے علاوہ علوم مشرقیہ کے قدردان تھے اس لئے سررشتہ تعلیمات کے اعلیٰ حکام کے نام انھوں نے اس جامعہ کے قیام کی نسبت ایک مراسلہ روانہ کیا تھا۔ جس کی اطلاع ٹائمز آف انڈیا بابت ۲۸ اکتوبر ۱۸۶۷ء میں بھی شایع ہوئی تھی۔

لائٹرنے کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۶ء میں لاہور میں ایک جامعہ مشرقیہ قائم ہو گئی جس کی نسبت دتاسی نے اپنے اس سال کے خطبہ میں کہا کہ :-

”و موصوف (لائٹرنے) نے ہندوستانی ادب کو فروغ دینے

کے لئے نہایت قابل تعریف کوشش کی۔ آپ نے حضرت

یہی نہیں کہ لاہور کی اکیڈمی (انجمن اشاعت علوم) قائم کی

بلکہ اس کے علاوہ بالخصوص پنجاب اور سارے
 مہندستان کے لئے ایک عظیم الشان جامعہ کی بنیاد لی
 اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم واسنہ
 کی تحقیق کی جائے۔ میرے پیش نظر اس کے
 متعلق بعض تجاویز ہیں۔ یہ تجاویز اردو میں ہیں۔
 ان تجاویز کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی ایک
 انتظامی کونسل ہوگی اور اس کے علاوہ متعدد کمیٹیاں
 ہوں گی۔ ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام ہوگا کہ اردو کی
 ترقی کے وسائل ہمہ پہنچائے اور ایک دوسری کمیٹی
 مشرقی علوم کو مہندستان میں رائج کرنے کے متعلق
 تجاویز پیش کرے گی۔"

ڈاکٹر لائسنر نے اس مشرقی جامعہ کو بالکل یورپی انداز پر قائم کیا تھا۔ اور
 یورپ کی جامعات کی طرح اس کے لئے بھی اعزازی ارکان منتخب کئے گئے
 چنانچہ گارساں دتاسی کی خدمت میں بھی یہ اعزازی رکنیت پیش کی گئی تھی۔
 ڈاکٹر لائسنر کی تحریک پر پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے بائیان جامعہ کو
 خطاب کرتے ہوئے جو خط لکھا تھا وہ بھی جامعہ سے متعلق دیگر کاغذات کے ساتھ
 مشہور مستشرقین اور علماء کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس خط کا خلاصہ ہم
 ذیل میں گارساں دتاسی کے خطبے سے نقل کرتے ہیں کیونکہ اس کے مطالعہ
 سے معلوم ہوگا کہ آج سے پچھتر سال قبل اردو کے بھی خواہ اس کی ترقی کے

لئے کیسے مفید ذرائع اختیار کر چکے ہیں۔

”اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم کی ترقی

میں کوشاں ہو اور اردو کا جدید ادب پیدا کرے۔

اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس امر کو

پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہندستان میں یورپین

لوگ نہیں بستے ہیں اور جنہیں تعلیم دینا مقصود تھا وہ

بھی یورپین لوگ نہیں بلکہ ہندستانی ہیں۔ سب سے

پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہندستانیوں کے

ادب سے ہم واقفیت پیدا کریں۔ پھر اس کے بعد

انھیں اس کا موقع دیں کہ وہ اپنا ذاتی ادب

پیدا کریں۔ اس ادب میں مغربی اثر موجود رہے گا

اس واسطے کہ اس سے مفر نہیں۔“

اگرچہ ڈاکٹر لائٹنر کی یہ تحریک منظور نہ ہوئی کہ اس جامعہ کا ذریعہ تعلیم

اردو ہوتا ہے مشرقی علوم و فنون کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ کالج قائم کر دیا گیا

تاکہ اس میں اردو، فارسی اور عربی ادبیات کی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ اس

کالج میں پنجاب کے جملہ اقطاع کے علاوہ کابل کے طلبہ بھی شریک ہوئے

اور سائنس میں اس کالج نے بڑی ترقی حاصل کی۔

ڈاکٹر لائٹنر نے ویسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کی جو تحریک کی تھی وہ

بعد کو ہندستان کے مختلف صوبوں میں اٹھائی گئی۔ چنانچہ سائنس میں انجمن اسلامی

کلمتہ نے دو ہزار لوگوں کے مجمع میں اس تحریک پر زور دیا۔ اس جلسہ میں ہندستان کے مشہور مسلمان رئیسوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی شریک تھے اور خود اعلیٰ حکام یعنی وائسرائے اور جنگل کے لفٹنٹ گورنر نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔

۱۸۶۸ء میں خود صوبہ پنجاب میں بھی یہ تحریک بے حد مقبول تھی اور لاہور میں اس کی حمایت میں بڑی جدوجہد کی گئی۔ حیدرآباد میں بھی تقریباً اسی زمانہ میں یہ تحریک اٹھائی گئی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل بعد کو حضرت سلطان العلوم آصفیہ صاحب کے ہاتھ سے ہونے والی تھی اس لئے جملہ ابتدائی تحریکیں عمل پذیر نہیں ڈاکٹر لائٹنر ۱۸۶۸ء میں دروستان کشمیر اور متبت ادنیٰ اسے متعلق تصنیف کی ترتیب میں مصروف رہے کیونکہ ان زبانوں پر اس وقت تک کوئی کام نہیں ہوا تھا اور وہ پہلے مشرق میں جنہوں نے ان زبانوں کو آریائی یا سنسکرتی السنہ کی ایک شاخ قرار دیا۔

لائٹنر اور دتاسی میں بے حد مخلصانہ تعلقات تھے اور دونوں کے آپس میں پابندی کے ساتھ مراسلت ہوتی تھی۔ چنانچہ لائٹنر موقع بموقع دتاسی کے یہاں کتابیں اور رسالے مثلاً ”بحر حکت“ اور ”خیر خواہ پنجاب“ وغیرہ روانہ کرتے رہتے تھے۔

۱۶۔ لیس۔ میجر ڈبلیو، نسو (Nassu Lees)۔ مشہور انگریز مستشرق تھے جن کو اصل میں عربی علوم سے خاصی دلچسپی تھی اور عربی ہی سے متعلق عالمانہ تالیفات لکھ کر شہرت حاصل کی تھی انہوں نے ۱۸۵۶ء میں السنہ مشرقیہ کی

حایت میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام تھا۔ ”انسٹرکشنز ان دی اوڈرٹس
 لیاٹگو بجز کنسی ڈروڈ“ *Instructions in the Oriental
 Languages Considered.*
 اس رسالے میں نویس نے لارڈ میکالے کی اس تحریک کی پرزور مخالفت
 کی تھی کہ ہندستان میں صرف لاطینی حروف استعمال کئے جائیں اور آئندہ سے
 انگریزی کو سرکاری زبان قرار دی جائے۔ یس نے اپنے مذکورہ رسالہ میں اس
 حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ”السنہ مشرقیہ اور خاص کر اردو زبان
 کی تحصیل ملکی اور فوجی خدمات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور یہ خیال خام
 ہے کہ انگریزی زبان ہندستان میں ایسی مقبول ہو جائے گی کہ تھوڑے عرصہ
 میں انگریز السنہ مشرقیہ سے بے نیاز ہو جائیں“ خاتمہ کتاب میں نویس نے
 اس امر پر زور دیا کہ :-

”انگلستان کے سیاسی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے
 جملہ السنہ مشرقیہ کی تحصیل کی حمایت ضروری ہے۔
 جس طرح روس اور آسٹریا میں علوم و فنون مشرقیہ
 کی تحصیل کے باقاعدہ مدارس ہیں اسی طرح اس قوم
 کا بھی فرض ہے جو اپنے آپ کو ملکہ بھر کہتی ہے کہ
 السنہ مشرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ایسی درس گاہ
 قائم کرے۔“

نویس اپنی اصابت رائے کے باعث اپنے ہم عصر مستشرقین میں
 عزت کی نگاہ سے دیکھ جاتے تھے اردو کے مشہور ماہر ڈنکن فوربز نے جب

باغ و بہار کا چوتھا ایڈیشن فارسی رسم خط میں شائع کیا تو لیس ہی کے مشورے سے انھوں نے اس کتاب کے ایسے نفروں کو خارج کر دیا جو ذوق سلیم کی نظر میں کھٹکتے ہیں۔

۱۸۶۴ء میں نسولیس نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں یہ خیال ظاہر کیا کہ اردو زبان کو روغنِ حروف میں لکھنا چاہئے۔ اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی کہ اردو کا اپنا کوئی مخصوص رسم خط نہیں ہے۔ فارسی رسم خط ہندی نثر ادب میں ہے اور ویوناگری رسم خط میں یہ صلاحیت نہیں کہ فارسی زبان کے عناصر کا بخوبی اظہار کر سکے۔ اس کے جواب میں باپو راجندر لال متر نے ایک مضمون (مطبوعہ جرنل آف ویلشیک سوسائٹی آف بنگال شمارہ ۷۵ بابۃ ۱۸۶۴ء) لکھا اور اس میں اردو کو ناگری رسم خط میں لکھنے کی حایت کی۔ اور گارساں دتاسی نے ان دونوں مضمونوں کا مُصنّفانہ جواب اپنے خطبہ (بابۃ ۷۵) میں دیا اور ثابت کیا کہ اردو کے لئے فارسی رسم خط ہی زیادہ موزوں ہے۔

نسولیس کی ایک کتاب ”حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی کی نسبت مختصر مضامین اور تبصرے“، اسی زمانہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں انھوں نے گلکندہ مدراس اور سبھی کی جامعات کے نتائج پر نظر ڈالتے ہوئے اس امر کی اہمیت بتلائی ہے کہ ہندوستانی جامعات میں ہندوستانی امور کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہئے اور تعلیم کا ہرگز یہ منشاء نہ ہونا چاہئے کہ اہل ہند اپنے ماضی کو بھول جائیں اور اپنی قومیت کی بنیادوں کو منہدم کر دیں۔ دراصل اس امر کی

کوشش ہونی چاہئے کہ جدید علوم و فنون کی بدولت ہندوستانی معاشرت کے مختلف عناصر میں امتزاج پیدا کیا جائے تاکہ پوری ہندوستانی قوم جسد واحد کی طرح زندگی بسر کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہندوستانیوں کو بالکل مغربی رنگ میں رنگ دیا جائے۔

۱۔ مال رائے - کرنل ڈبلیو، ایم (Holroyd) - اردو کے بڑے حامی اور ماہر تھے اور جدید اردو شاعری کا آغاز انہی کی کوششوں کی وجہ سے عمل میں آیا۔ یہ غدر کے بعد دس سال تک پنجاب میں ناظر مدارس کی خدمت پر فائز رہے اور میجر فلر کی غیر موجودگی میں نظامت تعلیمات کا کام بھی انجام دیا تھا۔ آخر کار ۱۸۶۶ء میں مستقل طور پر پنجاب کے ناظم تعلیمات مقرر کئے گئے۔ اور بقول دتاسی ”دراصل موصوف سے زیادہ اس خدمت کے لئے اور کوئی نہیں مل سکتا۔“

مال رائے اردو زبان میں بلا تکلف اور روانی کے ساتھ گفتگو اور تقریر کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے پیشرو کی رسم کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۸۶۵ء میں دہلی کے دیسی مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کے لئے ایک دربار منعقد کیا تھا اور اس میں بڑی روانی اور طلاقت کے ساتھ اردو میں ایک تقریر کی اور دوران تقریر میں اردو کے ہی خواہ اور دہلی کالج کے ڈائریکٹر میجر فلر اور سسٹرن کے انتقال پر خاص طور پر اظہار تاسف کیا۔

۱۸۶۹ء میں مال رائے کی کتاب ”رسوم ہند“ شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف کا آغاز اس کمیشن کی خواہش پر ۱۸۶۳ء میں ہوا تھا جو سر ڈی مک لیوڈ

کی صدارت میں مقرر کیا گیا تھا تاکہ اُردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی تصانیف تیار کرائی جائیں۔ اس کی ترتیب میں نارمل اسکول کے ایک ہندو مہتمم اور دہلی کالج کے عربی کے پروفیسر اور چند دیگر ہندوستانی اصحاب نے بھی ہال رائڈ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اس میں اہل ہند کے مذاہب اور ان کے مختلف فرقوں کا اختصار سے حال بیان کیا گیا تھا ہے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عقائد پر تبصرہ ہے۔ اور خاص طور پر شمالی ہند کے باشندوں کی خانگی زندگی اور ان کے عادات و اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی زبان اور طرزِ تحریر بے حد سادہ اور سلیس ہے۔

ہال رائڈ نے اوائل ۱۸۶۸ء میں ایک اعلان کیا تھا کہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۹ء کو اُردو تصانیف کا ایک مقابلہ عمل میں آئے گا جس کے لئے جب ذیل چار موضوعوں پر کتابیں لکھ کر روانہ کی جائیں۔ جس میں بہترین کو اول و دوم انعام دئے جائیں گے۔

(۱) عام اصول صرف و نحو۔

(۲) فارسی صرف و نحو۔

(۳) تاریخ ہند کی ایسی کہانیاں جن میں اہم واقعات اور مشاہیر کے تفصیلی حالات بیان کئے جائیں۔

(۴) اقلیدس کے ایک حصے کا ترجمہ

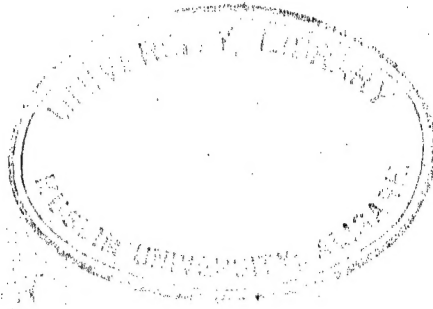
اس اعلان میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ کتابوں کی زبان نہایت سادہ چو اور حتی الامکان فارسی محاوروں سے پرہیز کیا جائے۔ ناظم تعلیمات

کو یہ حق حاصل ہو گا کہ جو کتابیں پسند کی جائیں انہیں تغیر و تبدل سے ساتھ طبع کرنا
اُردو کتابوں کے مقابلہ کا یہ اعلان جملہ اخباروں میں شائع کیا گیا۔ چنانچہ
”اخبار عالم“ کی ۱۳ اگست ۱۸۶۵ء کی اشاعت میں بھی یہ چھپا تھا اور تاسی نے
اپنے خطبہ بابت ۱۸۶۵ء میں بھی اس کی مختصر روئداد سنائی تھی۔

مال رائڈ ہر سال بحیثیت ناظم تعلیمات ایک رپورٹ شائع کیا کرتے تھے
جس میں دوران سال کی اُردو مطبوعات کی تعداد اور تفصیل بھی بیان کی جاتی
تھی۔ اس قسم کی ایک رپورٹ (بابت ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۶ء) میں انھوں نے لاہور
دہلی، اور لاہور سے چھپی ہوئی ۵۲ کتابوں کی تفصیل دی ہے۔ اس میں
۱۱۹ اُردو کی تھیں اور ۳۳ ہندی کی۔ ایک اُردو کتاب رومن رسم خط میں بھی
چھپی تھی۔

مال رائڈ نے اُردو کی بڑی خدمت کی ہے اور وہ تاسی اور گلکرسٹ
کی طرح اس زبان کے اُن محسنوں میں سے ہیں جن کی خدمات پر علحدہ علحدہ
کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں صرف وہی حالات اجمال کے ساتھ لکھے گئے ہیں
جو تاسی کے سلسلہ میں معلوم ہو سکے۔

ختم



مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

Kanj Babu Saksena Collection.

123
25/4/21

928591

DUE DATE

11/4/21

Kam Bala Saksena Collection.

1d>

9 28591

653331

44444

Date	No.	Date	No.